Regd.# MC-1366

دینی اخلاق اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

•جلد 12/ •شمارہ 1/ •جولائی 2022

ماہنامہ فہمِ دین

میرا اسماعیل

عدالتِ توہین

نخریلا بکرا

مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

جولائی 2022

فہمِ وفکر

توہینِ عدالت	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہمِ حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

فلسفہ قربانی	آبلہ نور	10
قربان کر دو	امۃ اللہ	12
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	14
امراض معدہ	حکیم شمیم احمد	15
حضرت امامہ رضی اللہ عنہا	ندا اختر	16
پانی ایک عظیم نعمت	عمارہ فہیم	17
معرکہ موجود	ام عبد اللہ	18

خواتینِ اسلام

بلاعنوان	قرات گلستان	20
مسیحا کی ناانصافی	عاتکہ سلیم	22
شکوہ نہ کر	شمائلہ	23
میرا اسماعیل	ام مصعب	26
میرا سائبان	ام نسیبہ	28

باغچہ اطفال

پسند کی قربانی	تسلیم شیخ	30
مانو	ام مصطفیٰ	31
بے بے کے بچے	سائرہ شاہد	32
گولو اور بھولو	انعم توصیف	33
3 سال 7 ماہ 13 دن	قانتہ رابعہ	34
نخریلا بکرا	روبینہ عبد القدیر	35
مانی کی گائے	سمیرا انور	36
گھوڑا	فوزیہ خلیل	37
بن بلائی	ڈاکٹر الماس روحی	38
بچوں کے فن پارے		40
انعامات ہی انعامات		41

بزمِ ادب

مبارک ہو حاجیو!	جوہر عباد	42
عیدِ قرباں	ارسلان اللہ خان	43
گلدستہ	ترتیب و پیش کش: اطہر فتح پوری	44

اخبار السلام

اخبار السلام		46

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمٰن
نظرِ ثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	فیضان الحق شمسی

آراء و تجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت نیز بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
C-26 گراؤنڈ فلور بن بیت کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ	50 روپے
سالانہ برائے کراچی	750 روپے

سالانہ اندرونِ ملک

عام ڈاک	750 روپے
رجسٹرڈ پوسٹ	1250 روپے
سالانہ بیرونِ ملک	55 ڈالر

ناشر: فیصل ندیم | مطبع: واسا پرنٹر | مقامِ اشاعت: [illegible]

توہینِ عدالت

یہ آئینِ پاکستان کا آرٹیکل نمبر 63 ہے، ہوسکتا ہے کہ آپ کو کچھ مشکل لگے، مگر صرف دو لائنیں ہیں، انھیں تین چار بار پڑھیں:

"کوئی شخص مجلسِ شوریٰ کے رُکن کے طور پر منتخب ہونے یا چنے جانے اور رُکن رہنے کے لیے نااہل ہوگا، اگر (الف) وہ فاتر العقل ہو۔ (ب) وہ غیر برأت یافتہ دیوالیہ ہو، (ہ) وہ کسی آئینی ہیئت یا کسی ایسی ہیئت کی ملازمت میں ہو جو حکومت کی ملکیت یا اس کے زیرِ نگرانی ہو یا جس میں حکومت تعدیلی حصہ یا مفاد رکھتی ہو۔"

آئین کی یہ شق آج کل سیاسی جماعتوں میں بہت زیادہ زیرِ بحث رہی ہے، مگر ہماری بَلا سے، سیاست دان جانیں اور اُن کا کام جانے۔

مگر میں تو صرف اتنا کہنا چاہ رہا ہوں کہ یہ ہمارے آئین کی ایک شق ہے، کیا آپ میرے کہنے پر اسے چار سے پانچ بار پڑھ سکتے ہیں۔

جب آپ پڑھ لیں تو اب میرا سوال یہ ہے کہ یہ شق اردو میں ہے اور اردو اگر ہماری مادری نہیں تو قومی زبان ہے، ہم کچھ نہ کچھ بولتے بھی رہتے ہیں اور سن کر سمجھ لینا تو ایک عام سی بات ہے۔ اب آپ یہ بتائیے کہ آپ اس کو کتنا سمجھ سکے۔ ظاہر ہے کہ سو فیصد سمجھ گئے ہوں گے، نہیں تو اسی یا پچاس فی صد تو ضرور سمجھ گئے ہوں گے۔ اب تیسرا اور آخری سوال یہ ہے کہ جب آپ اس کو سمجھ گئے ہیں تو بتائیے کہ ہمارے ملکِ عزیز پاکستان کا قانون آپ کو اپنے طور پر اس کی تشریح کرنے کا حق کتنا دیتا ہے؟ ہم اور آپ پاکستانی ہیں، اردو سمجھتے ہیں، سمجھ دار، عقل مند اور بالغ ہیں۔ اپنے تمام افعال اور اعمال کے خود ذمہ دار ہیں تو کیا قانونِ پاکستان ہمیں اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ہم آئین کی اس شق یا اس کے علاوہ کسی اور شق کی اپنی طرف سے کوئی تشریح کر سکیں۔ آپ کو یہ سن کر بڑی حیرانی ہوگی کہ عقل مند، ذمہ دار اور پاکستانی شہری ہونے کے باوجود قانونِ پاکستان آپ کو آئین کی کسی بھی شق کی تشریح کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کا مطلب ہے کہ قانونِ پاکستان ہمیں اور آپ کو ہماری تمام ڈگریوں کے باجود اس لائق نہیں سمجھتا کہ ہم قانون کی کسی شق کے بارے میں بھی کچھ کہہ سکیں۔ چلیں ہم اسے گوارا کر لیتے ہیں، مگر ایک آدمی ہے، جس نے کئی سال تک قانون پڑھا ہوا ہے، قانون کی ڈگری لی ہوئی ہے، عدالت کے باہر کچہریوں میں اپنا دفتر بنا کر لوگوں کے مقدمات میں قانونی رہ نمائی کی ہوئی ہے، عدالت میں آئین کی شقوں کو ڈھال بنا کر اپنے مؤکل کے حق میں دلائل کے انبار لگائے ہوئے ہیں، بڑے بڑے ماہر قانون دان وکیل ہیں، لاکھوں میں فیسیں ہیں ان کی، ان کے شب و روز کا کام ہی آئین کو پڑھنا اور اس کی روشنی میں مقدمات کو حل کرنا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا قانونِ پاکستان ان وکیلوں کو اجازت دیتا ہے کہ وہ آئین کی کسی بھی شق کی تشریح اپنی طرف سے کر سکیں؟ حیرانی کی انتہا تب ہوتی ہے کہ جب قانونِ پاکستان اس کا جواب بھی نفی میں دیتا ہے۔ کسی وکیل کو اس کی اجازت نہیں کہ وہ آئینِ پاکستان کی مَن مرضی تشریح کرے اور اگر سپریم کورٹ کی تشریح سے ہٹ کر کوئی بات کرے گا تو وہ توہینِ عدالت شمار ہوگا۔

اچھا جی! پھر وہ کونسا اَن داتا ہے، جسے آئینِ پاکستان کی تشریح کرنے کا حق حاصل ہے تو وہ پورے پاکستان میں ایک ہے، وہ ہے سپریم کورٹ۔ جی اگر آئین کی کسی شق کی تشریح میں قانون ساز ادارے پارلیمنٹ میں بھی سیاست دانوں کا اختلاف ہو جائے تو انھیں بھی سپریم کورٹ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اور سپریم کورٹ میں کی طرف سے قائم کردہ ججوں کا بینچ ہی وہ اتھارٹی ہیں، جو آئین کی کسی شق کی تشریح کر سکتی ہے اور اسے ہی حتمی سمجھا جاتا ہے۔

قارئینِ گرامی! کیا ہم سوچ سکتے ہیں کہ ہمارے پاس بڑی بڑی ڈگریوں کے ہونے کے باوجود ایسا کیوں ہے کہ ہمیں آئین کی تشریح کرنے سے روک دیا گیا ہے، صرف اس لیے کہ آئینِ پاکستان کہیں ہماری خواہشات کی پیچ لڑھکنے والی فٹ بال نہ بن جائے، جس کا دِل آیا ہے، جدھر کو چاہا، ٹھوکر لگا دی اور اوپر لیبل لگا دیا آئینِ پاکستان اور قانونِ پاکستان کا۔ پھر یہ قانون کی بالادستی نہیں، بلکہ قانون سے کھلواڑ ہوگا۔ اگر یہاں تک بات سمجھ آگئی تو سمجھو ہاتھی نکل گیا، صرف دُم باقی رہ گئی اور وہ یہ کہ آئینِ پاکستان کی طرح (بغیر کسی تشبیہ کے) آئینِ اسلام قرآن وحدیث کو سمجھیے۔ یہ تو ہے بھی عربی میں، جس کی الف ب بھی ہمیں نہیں آتی، بس اردو کے چند لفظ پڑھ کر ہم اسے اپنی گھر کی جاگیر سمجھنے لگتے ہیں۔

دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیے کہ کیا صرف کسی بات کے سمجھ آنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہم اس کے ماہرین سے پوچھے بغیر جو دِل میں آئے، تشریح کرنے لگیں اور اسے اپنا حق بھی سمجھیں۔ یاد رکھیں! یہ دین سے کھلواڑ ہوگا اور بات کہیں توہینِ عدالت کی طرح توہینِ اسلام تک نہ پہنچ جائے۔

قارئینِ گرامی! دینِ اسلام بالکل اسی طرح میرے اور آپ کے لیے ہے، جس طرح پاکستان میں رہنے والے ہر شہری کے لیے آئینِ پاکستان ہے، مگر خدارا! اسے کھلواڑ نہ بننے دیں۔ دینِ اسلام میں قانون سازی کا حق صرف اور صرف اللہ جلّ جلالہٗ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ہے اور اس کی تشریح کا حق ائمہ مجتہدین کے پاس ہے اور اس کے محافظین علمائے کرام ہیں، عالمی کفر کی کوشش ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو مساجد اور مدارس سے دور کیا جائے اور علمائے کرام اور مفتیانِ عظام سے بدظن کیا جائے، تاکہ پھر صرف خواہشات کا دین اور سوشل میڈیا پر اُن کی بنائی ہوئی جھوٹی من گھڑت حدیثوں کا دین باقی رہ جائے، اس لیے اس گھناؤنی سازش کا حصہ نہ بنیے اور ثواب کے چکر میں گناہوں کا ٹوکرا اپنے اوپر نہ لادیں، اہلِ مساجد اور اہلِ مدارس کو اپنا خیر خواہ اور اپنے دین کا محافظ سمجھیں، اسی میں دُنیا وآخرت کی بھلائی ہے۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

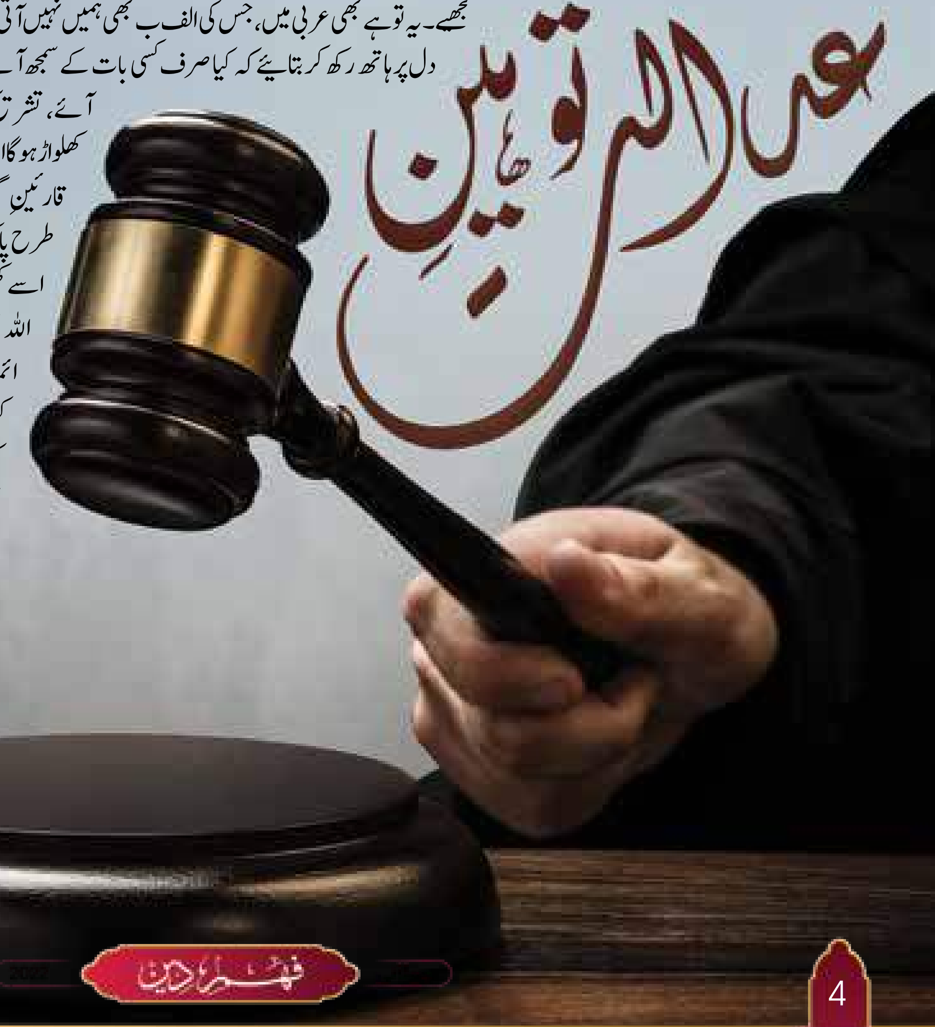

فہمِ قرآن

النساء 155-159

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ وَ كُفۡرِهِمۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتۡلِهِمُ الۡاَنۡبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ وَّقَوۡلِهِمۡ قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا (155)

ترجمہ: پھر ان کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اس لیے کہ انھوں نے اپنا عہد توڑا، اللہ کی آیتوں کا انکار کیا، انبیا کو ناحق قتل کیا اور یہ کہا کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھا ہوا ہے، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، اس لیے وہ تھوڑی سی باتوں کے سوا کسی بات پر ایمان نہیں لاتے۔ (155)

تشریح نمبر۱: ان کو مطلب یہ تھا کہ ہمارے دل بالکل محفوظ ہیں کہ ان میں اپنے مذاہب کے سوا کسی اور مذہب کی بات داخل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں جملۂ معترضہ کے طور پر ارشاد فرمایا کہ دل محفوظ نہیں ہیں، بلکہ ان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، جس کی وجہ سے کوئی صحیح بات ان کے دلوں میں نہیں اترتی۔

تشریح نمبر۲: تھوڑی باتوں سے مراد یہ ہے کہ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لاتے ہیں، لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان نہیں لاتے۔

وَّبِكُفۡرِهِمۡ وَقَوۡلِهِمۡ عَلٰى مَرۡيَمَ بُهۡتَانًا عَظِيۡمًا (156)

ترجمہ: اور اس لیے کہ انھوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا اور مریم پر بڑے بھاری بہتان کی بات کہی۔ (156)

تشریح نمبر۳: حضرت عیسیٰ علیہ السلام چوں کہ حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، اس لیے یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اس معجزے کو تسلیم کرنے کے بجائے حضرت مریم علیہا السلام جیسی پاک نفس اور عفت مآب خاتون پر گھناؤنا الزام لگایا تھا۔

وَّقَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰكِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا (157)

ترجمہ: اور یہ کہا کہ "ہم نے اللہ کے رسول عیسیٰ ابنِ مریم کو قتل کر دیا تھا" حالاں کہ نہ انھوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کیا تھا، نہ انھیں سولی دے پائے تھے، بلکہ انھیں اشتباہ ہو گیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے، وہ اس سلسلے میں شک کا شکار ہیں، انھیں گمان کے پیچھے چلنے کے سوا اس بات کا کوئی علم حاصل نہیں ہے اور یہ بالکل یقینی بات ہے کہ وہ عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل نہیں کر پائے۔ (157)

تشریح نمبر۴: قرآنِ کریم نے یہ حقیقت بڑے پرزور الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ کوئی قتل کر سکا اور نہ انھیں سولی دے سکا، بلکہ ان کو اشتباہ ہو گیا، یعنی انھوں نے کسی اور شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر اسے سولی پر چڑھا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اوپر اٹھا لیا۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو واضح کرنے پر اکتفا فرمایا ہے اور اس واقعے کی تفصیل بیان نہیں فرمائی، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ کا محاصرہ کیا گیا تو آپ کے مقدّس ساتھیوں میں سے ایک نے یہ قربانی دی کہ خود باہر نکلے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی بنا دی، دشمنوں نے ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر سولی پر لٹکا دیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اٹھا لیا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جاسوسی کر کے انھیں گرفتار کرنے کے لیے اندر داخل ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں تبدیل کر دیا اور جب وہ باہر نکلا تو اسی کو گرفتار کر کے سولی دے دی گئی، واللہ سبحانہ اعلم۔

بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ‌ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا (158)

ترجمہ: بلکہ اللہ نے انھیں اپنے پاس اٹھا لیا تھا اور اللہ بڑا صاحبِ اقتدار، بڑا حکمت والا ہے۔ (158)

وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ‌ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا (159)

ترجمہ: اور اہلِ کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اپنی موت سے پہلے ضرور بالضرور عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان نہ لائے اور قیامت کے دن وہ ان لوگوں کے خلاف گواہ بنیں گے۔ (159)

تشریح نمبر۵: یہودی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر ہی نہیں مانتے اور عیسائی خدا کا بیٹا ماننے کے باوجود یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کو سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سارے اہلِ کتاب، چاہے یہودی ہوں یا عیسائی، اپنے مرنے سے ذرا پہلے جب عالمِ برزخ کے مناظر دیکھیں گے تو اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کے تمام غلط خیالات خود بخود ختم ہو جائیں گے اور وہ ان کی اصل حقیقت پر ایمان لے آئیں گے۔

مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ

فہم حدیث

عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے ساتھ دنوں میں جمعہ کو اور سال کے بارہ مہینوں میں سے رمضان المبارک کو اور پھر رمضان المبارک کے تین عشروں میں سے عشرۂ اخیر کو خاص فضیلت بخشی ہے، اسی طرح ذی الحجہ کے پہلے ہفتے کو بھی فضل و رحمت کا خاص عشرہ قرار دیا ہے اور اسی لیے حج بھی انھیں ایام میں رکھا گیا ہے۔ بہر حال یہ رحمتِ خداوندی کا خاص عشرہ ہے۔ ان دنوں میں بندے کا ہر نیک عمل اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور اس کی بڑی قیمت ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا مِنْ اَيَّامٍ، الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهِنَّ أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشَرَةِ

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کو عملِ صالح جتنا ان دس دنوں میں محبوب ہے، اتنا کسی دوسرے دن میں نہیں۔ (صحیح بخاری)

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَاَرَادَ بَعْضُكُمْ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَاخُذَنَّ شَعْرًا وَلَا يُقَلِّمَنَّ ظُفْرًا

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت امِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب ذی الحجہ کا پہلا عشرہ ہو جائے (یعنی ذی الحجہ کا چاند دیکھ لیا جائے) اور تم میں سے کسی کا ارادہ قربانی کا ہو تو اس کو چاہیے کہ ان قربانی کرنے تک اپنے بال یا ناخن بالکل نہ تراشے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: دراصل یہ عشرہ حج کا ہے اور ان ایام کا خاص الخاص عمل حج ہے، لیکن حج مکہ معظّمہ جا کر ہی ہو سکتا ہے، اس لیے وہ عمر میں صرف ایک دفعہ اور وہ بھی اہلِ استطاعت پر فرض کیا گیا ہے، اس کی خاص برکات وہی بندے حاصل کر سکتے ہیں جو وہاں حاضر ہو کر حج کریں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے سارے اہلِ ایمان کو اس کا موقع دیا ہے کہ جب حج کے یہ ایام آئیں تو وہ اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے بھی حج اور حجاج سے ایک نسبت پیدا کر لیں اور ان کے کچھ اعمال میں شریک ہو جائیں، عیدالاضحیٰ کی قربانی کا خاص راز یہی ہے۔

حجاج دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں اللہ کے حضور میں اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں، دنیا بھر کے دوسرے مسلمان جو حج میں شریک نہیں ہو سکے، ان کو حکم ہے کہ وہ اپنی اپنی جگہ ٹھیک اسی دن اللہ کے حضور میں اپنی قربانیاں نذر کریں اور جس طرح حاجی احرام باندھنے کے بعد بال یا ناخن نہیں ترشواتا، اسی طرح یہ مسلمان جو قربانی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد بال یا ناخن نہ ترشوائیں اور اس طریقے سے بھی حجاج سے ایک مناسبت اور مشابہت پیدا کریں۔ کس قدر مبارک ہدایت ہے، جس پر چل کر مشرق و مغرب کے مسلمان حج کے انوار و برکات میں حصہ لے سکتے ہیں۔

عید الاضحیٰ کی قربانی

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ہجرت کے بعد) مدینہ طیبہ میں دس سال قیام فرمایا اور آپ برابر (ہر سال) قربانی کرتے تھے۔

قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد

عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ شَهِدْتُ الْاَضْحٰى يَوْمَ النَّحْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَلَمْ يَعْدُ أَنْ صَلّٰى وَفَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ يَرٰى لَحْمَ اَضَاحِيَ قَدْ ذُبِحَتْ قَبْلَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ فَقَالَ مَنْ كَانَ أُضْحِيَتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ اَوْ نُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰى

ترجمہ: حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں عیدِ قربان کے دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، آپ ﷺ جیسے ہی عید کی نماز سے فارغ ہوئے، آپ ﷺ کی نگاہ قربانیوں کے گاشت پر پڑی، یہ قربانیاں نماز سے فارغ ہونے کے قبل ہی ذبح کی جا چکی تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے نماز سے پہلے قربانی کر دی ہے، وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کریں (کیوں کہ ان کی قربانی قبل از وقت ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوئی)۔

عیدالاضحیٰ کے موقع پر اہلِ اسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یاد کو تازہ کرتے اور اس سنت پر عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ ممتحنہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک اور سنت کا ذکر فرمایا بھی ہے قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اور مسلمانوں سے کہا: تم ابراہیم کی اس سنت پر بھی عمل کرو اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے اس خوب صورت پہلو پر عمل جب سے چھوٹا ہے، اہلِ اسلام نے اس سے بہت بڑا نقصان اٹھایا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا سارا خاندان مشرک تھا۔ آپ نے اپنے سارے خاندان سے صرف برأت کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ اعلان فرمادیا تمہارے اور ہمارے درمیان اس وقت تک دشمنی کی دیوار حائل رہے گی جب تک کہ تم ایمان نہ لے آؤ۔

میرے اور تمہارے درمیان دشمنی اور بغض کی دیوار حائل ہو گی۔

تم خون اور رشتے میں میرے ضرور ہو، لیکن حقیقت میں تم میرے نہیں ہو، کفر اور شرک کی وجہ سے اب تمہارے اور میرے درمیان دشمنی حائل ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے اس امتِ مسلمہ کے بارے میں بتایا:

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ

جو اس امت کا مسلمان ہے اور صاحبِ ایمان ہے، وہ کبھی اللہ اور اللہ کے رسول کے مخالف سے دلی دوستی نہیں رکھ سکتا، جس طرح کوئی غیرت مند بیٹا اپنے والدین کے دشمن سے دوستی نہیں رکھ سکتا۔ اسی طرح غیرت مند ایمان والا اللہ اور اس کے رسول کے دشمن سے دلی دوستی نہیں رکھ سکتا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ

ایمان والو! جو میرے دشمن ہیں وہ تمہارے دشمن ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کافر کو اپنا دشمن کہا ہے، کیوں کہ جب تک اس کے دل میں کفر اور شرک ہے اس نے مجھ سے دشمنی مول لے رکھی ہے اور غیرت مند ایمان والا کبھی کافر سے دلی دوستی نہیں رکھ سکتا، دوستانہ تعلقات نہیں رکھ سکتا۔

اللہ کی شان رسولِ کریم ﷺ نے اپنے پیاروں کی ایسی تربیت فرمائی۔ عبداللہ ابن اُبَی منافق تھا اور اس کا بیٹا بڑا مخلص مسلمان تھا۔ بیٹے کے سامنے باپ نے اللہ کے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی، حضور ﷺ کی خدمت میں گیا، بیٹا کہنے لگا یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھ سے برداشت نہیں ہورہا، آپ صرف مجھے اجازت دیجیے میری تلوار ہو گی اور میرے باپ کی گردن ہو گی۔ یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ کی ایک خاص شان ہے، آپ اس امت میں سب سے زیادہ نرم دل رکھنے والے ہیں۔ ابو بکر کے والد ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس وقت کا واقعہ ہے انھوں نے رسولِ کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کی، حضرت ابو بکر نے اتنے زور سے طمانچا مارا کہ باپ نیچے گر گیا۔ حضور ﷺ کو پتا چلا فرمایا ابو بکر خیال کیا کرو۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ

ان منافقین کو عذاب کی خوش خبری سنا دو، جو کافروں سے دلی دوستی رکھتے ہیں، ایمان والوں کو چھوڑ کر۔

یہ منافق تو ہو سکتا ہے جو کسی کافر سے کفر کے باوجود کسی مشرک سے شرک کے باوجود دوستانہ تعلقات رکھے، اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے کوئی رشتہ نہیں، اس کا امتِ مسلمہ کی برادری سے کوئی تعلق نہیں۔

اللہ نے دو قومیں بنائی ہیں

فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ

ایک کافر قوم ہوتی ہے، ایک مسلمان قوم ہوتی ہے اور جب مسمان کے دل و دماغ میں ایمان کی عظمت آجاتی ہے تو کفر کی نفرت بھی ساتھ ہی آتی ہے، جس درجے کی ایمان کی عظمت ہو گی، اسی درجے کی کفر سے بھی نفرت ہو گی، جس درجے کی ایمان کی اہمیت ہو گی، اسی درجے کی شرک کی گندگی سے نفرت بھی ہو گی، درمیان نہیں چل سکتا۔ کمالِ ایمان کے لیے ضروری ہے کفر سے کمال درجے کی نفرت ہو، کمالِ ایمان کی علامت یہ ہے شرک کی گندگی سے کمال درجے کی نفرت ہو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا

مسجدِ حرام کی طرف کوئی مشرک نہیں آسکتا، نجاست رکھ کر اللہ کے گھر میں آئے، اللہ کی غیرت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ رسولِ کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے، میں بھی غیرت مند ہوں وَاللهُ أَغْيَرُ مِنِّي لیکن اللہ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے اور ایمان والا بھی غیرت مند ہوتا ہے، اس لیے رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ اَعْطٰى لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِیْمَانَ

کمالِ ایمان کی علامت یہ ہے کہ محبت اللہ کی خاطر ہو اور بغض اور عداوت بھی اللہ کی خاطر ہو۔ دنیا کی جب عظمت ہوتی ہے اور دنیا کی اہمیت ہوتی ہے تو کوئی آدمی چالیس پچاس سال ہم نوالہ اور ہم مجلس ہو اور کاروبار ساتھ کرتا ہو، چالیس پچاس سال تک ایک دستر خوان پر کھایا پیا اکٹھے رہے، کاروبار اکٹھا کیا، لیکن اگر اس نے کاروباری نقصان پہنچادیا تو کیسے غیرت جوش میں آتی ہے اور مال کی محبت کیسے حرکت میں آتی ہے، کہتا ہے اس کا تذکرہ میرے سامنے نہیں کرنا، اس کا منہ دیکھنے کا دل نہیں کرتا۔ ساری وسعت ظرفی ہوا ہو جاتی ہے۔

اور جس خوش نصیب کو اللہ ایمان دے دے اور ایمان کی حقیقت دے دے، قسم خدا کی! وہ اللہ کے مخالف اور دشمن سے کبھی دلی دوستی نہیں رکھتا۔ اس کا منہ نہیں دیکھنا چاہتا، اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا، عزت دینا اور ہیرو سمجھنا تو دور کی بات ہے، جب سے مسلمان قوم کے دل میں کفر اور شرک کی نفرت نہ رہی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمانوں کی اولادیں مرتد ہو رہی ہیں، آج مسلمان ہو کے کفار سے شادیاں کر رہے ہیں، کفر اور شرک کی گندگی کا احساس نہیں رہا۔ آج مسلمان بچوں کو کے جی سے لے کر یونیورسٹی تک انھی نام نہاد ہیروز کی عظمت ان کے دلوں میں بٹھائی جاتی ہے۔ یہ مسلمان نسل میں ارتداد کا راستہ کھولتا ہے۔

آج دنیا میں ایک نیا بت کھڑا ہوا ہے کہ بس انسانیت ہونی چاہیے باقی مذہب، دین، عقیدہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، چاہے وہ یہودی ہو، عیسائی ہی کیوں نہ ہو، میں اس سے بھی رشتہ کر لوں گا، میں اس سے بھی شادی کر لوں گا۔ یہ ہماری اولادیں اس سطح پر تب پہنچتی ہیں، جب ان کے دلوں سے پہلے شرک کی، کفر کی، اس کی نجاست اور گندگی نکلتی ہے۔

چناں چہ اللہ رب العزت اہلِ ایمان سے کہہ رہا ہے ایمان والو! ابراہیم کی اس سنت پر بھی تو عمل کرو، ابراہیم علیہ السلام کی یہ سنت بھی تو ہے کہ انھوں نے اپنے خاندان سے صرف برأت کا اعلان نہیں کیا، بلکہ عداوت کا اعلان کیا ہے اور کہا یہ عداوت اور بغض کی دیوار کھڑی رہے گی، جب تک تم مسلمان نہ ہو جاؤ، جب تک تم ایمان نہ لے آؤ اور اللہ نے ایمان والوں کے بارے میں بتایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرَ

جو بھی مسلمان ہے وہ ابراہیم علیہ السلام کی اس سنت پر عمل کیا کرتا ہے، وہ کبھی کسی کافر اور مشرک سے دوستانہ تعلقات نہیں رکھتا، دلی محبت نہیں رکھتا۔ جب کفر سے نفرت ہوتی ہے، شرک سے نفرت ہوتی ہے، پھر ایمان کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَ لَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

کفر سے نفرت تھی، شرک کی نفرت تھی، ایمان کے رشتے کی عظمت تھی، پھر یہ خستہ حال آئے اور لٹے لٹائے مدینہ پہنچے، ان مدینے والوں کا ان مسلمانوں سے کوئی خاندانی رشتہ داری، برادری کا کوئی تعلق نہیں تھا، لیکن ایمان کا تعلق تھا، اسی وجہ سے یہ لوگ اپنے گھروں میں انھیں جگہ دیتے ہیں، اپنے مالوں میں حصہ دیتے ہیں اور ان کا عظمت اور احترام کے ساتھ استقبال کرتے ہیں۔

ملکی اور غیر ملکی کے مسائل تو ہر جگہ ہوتے ہیں ناں، یہ ملکی ہے یہ غیر ملکی ہے، یہ وطن کا ہے یہ غیر وطن کا ہے، اب تو نئی تقسیمیں بھی شروع ہو گئیں، یہ سندھ کا ہے یہ بلوچستان کا ہے یہ پنجاب کا ہے، بلکہ اب تو اور تقسیمیں ہو گئیں یہ فلاں برادری کا ہے، یہ فلاں برادری کا ہے، یہ سارے بت وہاں پروان چڑھتے ہیں، جہاں ایمان کا رشتہ کم زور ہوتا ہے۔ یہ ساری نفرتوں کی دیواریں وہاں کھڑی ہوتی ہیں، جہاں ایمان کا رشتہ کم زور ہوتا ہے، وہاں تو ایمان کا رشتہ موجود تھا، وہاں نفرت مسلمان سے نہیں تھی، وہاں نفرت کسی ایمان والے سے نہیں تھی، وہاں نفرت اور بغض کفر سے تھا، مشرک سے تھا، اللہ نے ایمان والوں کی یہ ایک نشانی بتائی:

وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ

کفر کے مقابلے میں سخت اور آپس میں شیر و شکر، ایمان کی وجہ سے آپس میں شیر و شکر، ایک دوسرے کو معاف کرنے والے در گزر کرنے والے، کفر و شرک سے نفرت اور کافر و مشرک سے عداوت عبادت ہے اور ایمان والے سے دل حسد سے خالی ہو جائے، کینہ سے خالی ہو جائے، علامت ہے یہ جنتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ تشریف فرما تھے، حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ بھی بیٹھے ہوئے ہیں، ایک صحابی آئے سعدؓ۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ شخص جنتی ہے، اللہ کی شان دوسرے دن پھر ایسے مجلس بیٹھی ہوئی اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: یہ آنے والا شخص جنتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابنِ عمر بن عاصؓ کھڑے ہوئے اور سعد سے کہنے لگے کہ سعد میرے گھر میں کچھ اَن بَن ہے، مجھے اپنے ہاں ٹھہرا لو۔ سعد کہنے لگے: آؤ، چند دن گھر میں رہ لو۔ حضرت عبداللہ ابنِ عمر بن عاصؓ اس تلاش میں تھے کہ سعد خلوت اور تنہائیوں میں اپنے مولا سے کیسے راز و نیاز کرتا ہے؟ کون سی عبادت کرتا ہے؟ کون سی ایسی مناجات ہیں کہ اللہ کے نبی دنیا میں چلتے پھرتے اس شخص کو جنتی کہہ رہے ہیں۔ ایک دن گزرا، دو دن گزرے، تین دن گزرے، سعد تو مزے کی نیند لیتے ہیں اور صبح کی اذان پر کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابنِ عمر بن عاصؓ تین دنوں کے بعد کہنے لگے کہ سعد ایک بات سچ بتاؤں، تیرے پاس خلوتوں کی عبادت دیکھنے آیا تھا تو وہ خوش نصیب ہے، تجھے اللہ کے نبی ﷺ نے جنت کی بشارت دی ہے، لیکن تنہائیوں میں تیری زندگی میں مجھے کوئی خاص عمل نظر نہیں آیا۔ حضرت عبداللہ ابنِ عمر بن عاصؓ جانے لگے، سعد نے بلایا اور کہا: عبداللہ ایک بات ہے یار! رات کو جب بستر پر جاتا ہوں، اپنے دل کا جائزہ لیتا ہوں، اس دل میں کسی کے لیے حسد تو نہیں، کسی ایمان والے کے لیے کینہ تو نہیں، بغض تو نہیں، سب کو اللہ کی خاطر معاف کر کے سوتا ہوں۔

حضرت عبداللہ کہنے لگے: ارے! یہی تو وہ عمل ہے، جس کی میں طاقت نہیں رکھتا۔

مسلمان کسی بھی برادری کا ہو، مسلمان کسی بھی علاقے کا ہو، مسلمان کالا گورا کسی بھی نسل کا ہو، لیکن چوں کہ ایمان والا ہے، صاحبِ ایمان کا دل مجھ سے کینہ اور بغض سے خالی ہو، یہ ایمان والے کے جنتی ہونے کی علامت ہے اور جس کے دل میں نجاست ہے، کفر کی شرک کی اس سے بغض اور عداوت اس کے شرک اور کفر کی وجہ سے یہ عبادت ہے، یہ ایمان کی علامت ہے، یہ کمالِ ایمان کی علامت ہے، رسولِ کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ اَعْطٰى لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِیْمَانَ

کمالِ ایمان یہ ہے، اللہ کی خاطر محبت ہو، اللہ کی خاطر بغض اور عداوت ہو، اللہ کی خاطر دینا ہو، اللہ کی خاطر ہاتھ کا روکنا ہو۔ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک سنت اور ملاحظہ کی مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ ابراہیم کی اس سنت پر بھی عمل کرو کہ آپ کی نفرت اور عداوت کی وجہ کفر اور شرک تھی اور مسلمان بھی ایمان اسلام کی بنیاد پر محبتیں اور باہمی تعلقات رکھتا ہے، کفر کی وجہ سے دوستانہ تعلقات نہیں رکھتا۔ اللہ رب العزت ایمان کی حقیقت اور روح نصیب فرمائے۔ آمین

لفظ "قربانی" کا معنی و مفہوم: عربی زبان میں قربانی کو "اضیحہ" کہتے ہیں، لہٰذا دسویں ذی الحجہ کو جس میں قربانی کی جاتی ہے، اس کو عیدالاضحیٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ قربانی ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے، جس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کیا جائے، چاہے وہ جانور ذبح کر کے ہو یا صدقہ و خیرات کر کے۔ فقہی اصطلاح میں قربانی اس حلال جانور کو کہتے ہیں جو مسلمان ہر سال 10 ذی الحجہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ادا کرتے ہوئے قربان کرتے ہیں۔

قربانی کی ابتدا: حلال جانور کو بہ نیتِ تقرب ذبح کرنے کی تارِیخ حضرت آدَم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل و قابیل کی قربانی سے ہی شروع ہو گئی تھی۔

"اور انھیں آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ بھی ٹھیک ٹھیک سنا دیجیے، جب ان دونوں نے قربانی کی تو ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی۔"

(المائدہ:27)

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، ہابیل اور قابیل۔ دونوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی قربانی پیش کی۔ ہابیل نے ایک دنبہ قربان کیا اور قابیل نے کچھ زرعی پیداوار پیش کی، اس وقت قربانی کے قبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آ کر قربانی کو جلا ڈالتی تھی۔ ہابیل کی قربانی کو آگ نے کھا لیا اور اس طرح اس کی قربانی واضح طور پر قبول ہو گئی اور قابیل کی قربانی پڑی رہ گئی، اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ قبول نہیں ہوئی۔

پچھلی امّتوں کے لیے قربانی کا حکم: اقوامِ عالم کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہر قوم میں قربانی کا تصور کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے۔

"اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی اس غرض کے لیے مقرر کی ہے کہ وہ ان مویشیوں پر اللہ کا نام لیں، جو اللہ نے انھیں عطا فرمائے ہیں۔" (الحج:34)

اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ قربانی کا جو حکم اس امت کے لوگوں کو دیا گیا ہے کوئی نیا حکم نہیں۔

بیٹے کی قربانی: آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قربانی کا حقیقی مقصد اور صحیح فلسفہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔

"اے میرے بیٹے! میں دیکھتا ہوں خواب میں کہ میں آپ کو ذبح کرتا ہوں، پس بیٹا آپ کی کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کیا ہی خوب جواب دیا۔ ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے، اس پر عمل کر گزریے، آپ مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔"

(الصافات:102)

یہ اگرچہ خواب تھا، لیکن انبیا کرام علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، اس لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اسے اللہ تعالیٰ کا حکم قرار دیا، چناں چہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ سے لے کر چلے اور منیٰ میں ذبح کرنے کی نیت سے ایک چھری ساتھ لی۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا، ابھی ذبح کرنے نہ پائے تھے کہ آسمان سے ندا آئی "يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا"۔ یعنی اے ابراہیم! تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا، پھر اللہ نے ایک مینڈھا بھیجا، جسے اپنے بیٹے کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کر دیا۔ ذبح تو کیا مینڈھا اور ثواب مل گیا بیٹے کی قربانی کا۔

اسی کی یادگار کے طور پر اُمتِ محمدیہ ﷺ پر قربانی کو واجب قرار دیا گیا۔

اِبْنُ الذَّبِيحَيْن، آپ ﷺ کا لقب: آپ ﷺ دو ذبح کیے جانے والوں کے بیٹے ہیں، ان میں سے ایک حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام ہیں، جو آپ ﷺ کے جدِ امجد ہیں، ان کے فدیے کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ایک مینڈھا بھیج دیا تھا، جس کو ان کے بدلے ذبح کیا گیا اور دوسرے ان میں سے آپ ﷺ کے والد ماجد "حضرت عبداللہ" ہیں، آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ نے مجھے دس بیٹے عطا کیے تو میں ان میں سے ایک اللہ کے نام پر ذبح کروں گا اور پھر اللہ نے انھیں دس بیٹے عطا کر دیے تو انھوں نے بیٹوں میں سے کسی ایک کو ذبح کرنے کے لیے قرعہ ڈالا، جس میں آپ ﷺ کے والد ماجد عبداللہ کا نام نکلا تو حضرت عبدالمطلب نے انھیں ذبح کا ارادہ کیا، ان کے ماموؤں نے منع کیا اور کہا کہ آپ اس کے بدلے اونٹ فدیہ میں دے دیں، قرعہ اندازی کے ذریعے اونٹوں کی تعداد 100 طے ہوئی، چناں چہ 100 اونٹ بطور فدیہ ذبح کیے گئے۔

قربانی کی حقیقت: اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے

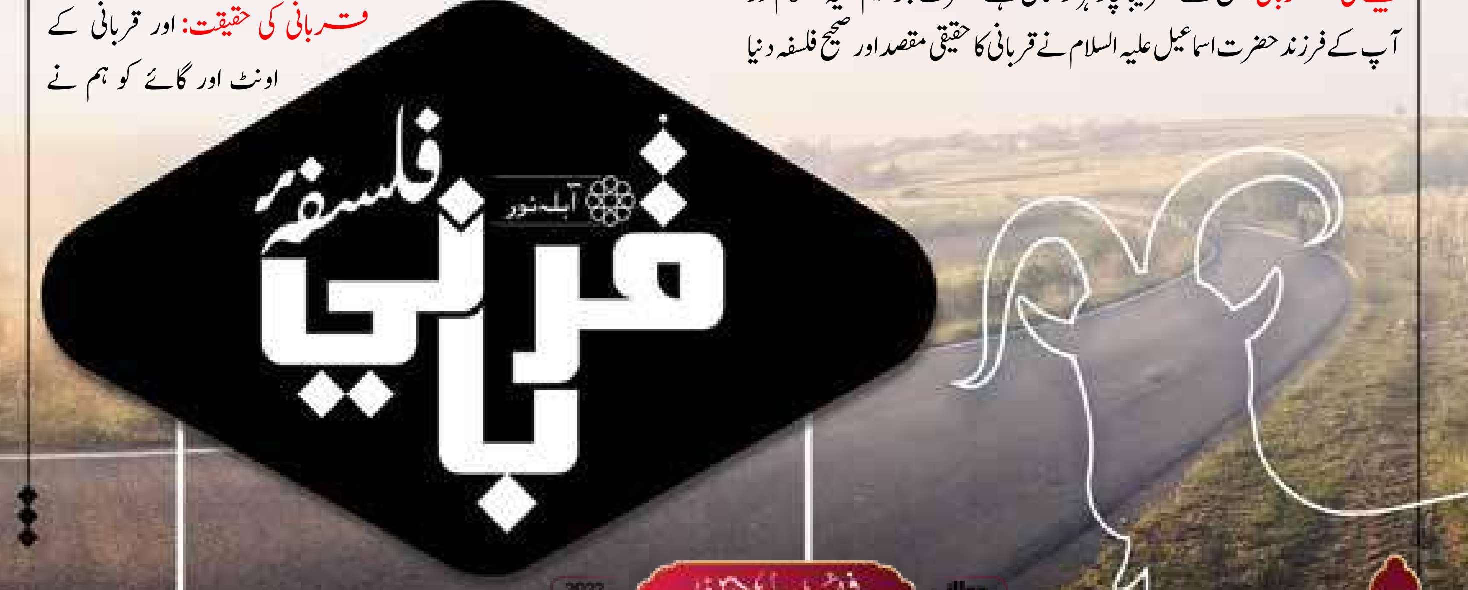

تمہارے لیے شعائر اللہ یعنی اللہ کی عظمت کا نشان بنایا ہے، تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے۔ (الحج:36)

اس لیے قرآنِ حکیم کی تعلیم کے مطابق قربانی کا فلسفہ اور اس کی حقیقت یہ معلوم ہوئی کہ انسان قربانی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے لیے جانور قربان کرتا ہے، اس میں گوشت کھانا مقصود نہیں اور نہ اس میں ریاکاری آئے اور نہ کوئی اور وسوسہ آنے پائے، یہ خاص اللہ کے لیے جان اور مال کو قربان کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا، جو امت کے ایمان کا حصّہ ہے کہ "کہہ دو کہ بے شک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔" (الانعام:162)

قربانی کا مقصد: اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے، نہ ان کا خون، لیکن ان کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اُس نے یہ جانور اسی طرح تمہارے تابع بنا دیے ہیں، تاکہ تم اس بات پر اللہ کی تکبیر کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی۔ (الحج:37)

قربانی ایک عظیم عبادت ہے، اللہ کے پاس اس کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا نہ وہ مقصودِ قربانی ہے، بلکہ مقصودِ اصلی اس پر اللہ کا نام لینا اور حکم ربی کی بجا آوری دلی اخلاص کے ساتھ ہے، اگر یہ عبادت اس اخلاص و محبت سے خالی ہے تو عبادت کا صورت و ڈھانچہ تو ہے، لیکن روح غائب ہے۔

قربانی کی تاکید: قربانی شعائرِ اسلام میں سے ایک اہم شعار ہے، جس پر پوری امتِ مسلمہ کا اجماع و اتفاق ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے،

"سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر اس کے نام۔" (الکوثر:2)

قربانی مالی عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت ہے، اس بنا پر خاص امتیاز اور اہمیت رکھتی ہے اور اللہ کے نام پر قربانی کرنا بتوں کے نام پر ہونے والی قربانیوں کے خلاف ایک جہاد بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فضل فرما کر یہ حکم دیا کہ جانور ہی قربان کر دو تو ہم سمجھیں گے کہ تم نے جان پیش کر دی۔

قربانی کا گوشت، اللہ کی نعمت: چناں چہ (مسلمانو!) ان جانوروں میں سے خود بھی کھاؤ اور تنگ دست محتاج کو بھی کھلاؤ۔ (الحج:28)

یعنی قربانی کا گوشت امّتِ محمّدیہ ﷺ کے لیے حلال کر دیا گیا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے۔ قربانی کرنے والا اور اس کے احباب و اعزا اگرچہ اغنیا ہوں وہ بھی کھا سکتے ہیں۔

قربانی کا ایک تہائی گوشت فقیروں اور ضرورت مندوں کو خیرات کرنا مستحب ہے، لیکن اگر ایک تہائی سے کم خیرات کیا تب بھی کوئی کراہت یا گناہ نہیں ہے۔

قربانی کے جانوروں میں برکت: اللہ تعالیٰ نے قربانی کے حلال جانوروں میں ایسی برکت رکھی ہے کہ ہر سال بڑے پیمانے پر ان کی قربانی کی جاتی ہے، لیکن یہ پھر بھی تمام دوسرے حرام جانوروں کے مقابلے میں زیادہ ہی موجود ہوتے ہیں۔

ارشادِ ربّانی ہے، "اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو، وہ اس کی جگہ اور چیز دے دیتا ہے اور وہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔" (سبا:39)

اس آیت کے اشارے سے یہ معلوم ہوا کہ جس چیز کا خرچ زیادہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی پیداوار بھی بڑھا دیتے ہیں۔ جانوروں میں بکرے اور گائے کا سب سے زیادہ خرچ ہے کہ ان کو ذبح کر کے گوشت کھایا جاتا ہے اور ہر سال عیدِ قربان کے موقع پر ان کی قربانی کی جاتی ہے، یعنی یہ جتنے زیادہ کام آتے ہیں، اللہ تعالیٰ اتنی ہی زیادہ ان کی پیداوار میں برکت ڈال دیتے ہیں۔

قربانی کی اہمیت و فضیلت: حضرت زید بن ارقمؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول (ﷺ)! یہ قربانیاں کیا ہیں؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے"

صحابہؓ نے عرض کیا: ہمارے لیے اس میں کیا ثواب اور اجر ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے۔"

آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

"قربانی کے دنوں میں سب سے افضل عبادت قربانی ہے اور قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔"

امّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عیدالاضحیٰ کے دن کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے محبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے بالوں، سینگوں اور کھروں سمیت آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں شرفِ قبولیت حاصل کر لیتا ہے، لہٰذا تم خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔"

حضرت ابو سعید رَضی اللہ عنہ سے رِوایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنی بیٹی حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا:

"اے فاطمہ! اٹھو اور اپنی قربانی کے پاس رہو (یعنی اپنی قربانی کے ذبح ہوتے وقت قریب موجود رہو) کیوں کہ اس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرنے کے ساتھ ہی تمہارے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور ہر سال پابندی سے قربانی فرماتے تھے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت علی رَضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"اے لوگو! تم قربانی کرو اور ان قربانیوں کے خون پر اجر و ثواب کی اُمید رَکھو، اِس لیے کہ (اُن کا) خون اگرچہ زمین پر گرتا ہے، لیکن وہ اللہ کے حفظ و امان میں چلا جاتا ہے۔"

حضرت حسین بن علی رَضی اللہ عنہ سے مروِی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص خوش دِلی کے ساتھ اجر و ثواب کی اُمید رَکھتے ہوئے قربانی کرے گا تو وہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے رکاوٹ بن جائے گی۔"

حضرت ابو ہریرہ رَضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص قربانی کرنے کی گنجائش رَکھتا ہو، پھر بھی قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ میں نہ آئے۔"

جس کی چاہ زیادہ ہو اسے قربان کر ڈالو

امۃ اللہ

وہ دو سفید چادروں کو لپیٹے کسی طویل عمارت کے مسحور کن سیاہ رنگ کو آنکھوں کی چمکتی پُتلیوں میں بسائے کسی عمیق سوچ میں گم تھا۔ کہرائیاں دل کے آنگن میں اُمڈ اُمڈ کر آرہی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا، اس اپاہج شخص کے بارے میں جو عبداللہ بن مبارک کو حج کے سفر میں تپتی ہوئی سورج کی تمازت میں ملا تھا، جس کے پاس ساز و سامان تھا نہ سواری، نہ ہاتھ پیر!!

مگر محبت اس کے روئیں روئیں میں سمائی ہوئی تھی اور اس کی شدّت دھوپ کی گرمی سے بھی کئی بڑھ چکی تھی۔ جس نے عبداللہ کی سواری اور ساز و سامان کو ٹھکرا دیا تھا اور کسی سے امداد کی التجا اس کے خشک پھٹے ہونٹوں پر نہ تھی۔ ہاں بس ایک صدا۔۔

لَبَّیْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ

گھسٹ گھسٹ کر چلنے والے اس اپاہج کو گویا وہ آنکھوں کی سیاہ پتلوں سے دیکھ رہا ہو، پھر مجنوں کا وہ انداز جو لیلیٰ کے گھر کی طلب میں نکل پڑا تھا۔۔۔

اللہ اللہ اللہ! وہ سواری پر سوار ہونا مجنوں کا، وہ نگاہوں کا یار کی گلی پر ٹک جانا، ہائے کہ جو انداز تھے اس کے کئی بار سواری سے گر پڑا، لیکن پھر سوار ہوا، پھر نگاہیں وہیں ٹکا دیں، پھر گر پڑا، پھر اٹھ گیا اور چل دیا، پھر سواری سے گر پڑا کہ نگاہیں تو کہیں اور تھیں۔ اس بار گرا جو شدید زخمی ہو گیا اور اٹھ ہی نہ سکا، پھر آگے کی جانب ہاتھ پھیلا لیے اور خود کو اسی عمارت کی سمت گھسیٹنے لگا۔۔۔

وہ حرم میں بیٹھا دیکھ رہا تھا اس مجنوں کو جب وہ زخم خوردہ جسم سے خود کو گھسیٹ رہا تھا۔

باالآخر کئی دن بعد اسے لیلیٰ کا گھر مل گیا، جسے وہ چوم چوم کر جھوم رہا تھا، جس کی اینٹوں نے اسے مست کر دیا، جس کی دیواروں کو آنکھوں سے لگاتا کبھی کس جانب تو کبھی کس جانب، پلٹ پلٹ کر آتا!! بس نہ چل رہا تھا اس کا کہ عمارت کے رنگ میں خود کو سمو دے۔ اس کی خوش بو سونگھے، اس کے رنگ میں کھو جائے، اس کے چکر کاٹے، اس سے لپٹ جائے۔۔۔ حیران تھا کہ ابھی لیلیٰ کا گھر ہی ملا ہے، لیلیٰ ہی مل جاتی تو کیا ہوتا اس کا!

پھر وہ اٹھا اور طواف کرنے لگا۔ لبیک کی صداؤں کے ساتھ بکھرے ہوئے بال اور پراگندہ دل لیے آنکھوں کی پتلیوں میں بسنے والی خواہش کا رنگ روپ اجنبی سا تھا،

شرمسار کر دینے والا۔

لہو لہو رنگ تھی داستان اس کی۔ مولی سے بے وفائی کر کے آیا تھا، بھگوڑا غلام تھا وہ، کچھ بھی نہیں کہا دیوانے نے اور بس کعبہ کے چکر کاٹتا رہا۔ سب اپنی اپنی قربانیاں پیش کر رہے تھے۔ سرمد ہو یا منصور، سب ایک صف میں کھڑے تھے۔ وہ اپاہج تو عبداللہ سے پہلے وہاں موجود تھا، ایک ہجوم تھا عشاق کا لہو رنگ خواہشیں تھیں۔۔۔

حیران تھا کہ اس اپاہج کے پاس تو کچھ نہ تھا، کہنے لگا کہ مولیٰ تو جانتا ہے مجھ کو میرے پاس کچھ نہیں ہے، میں تیرے آگے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہوں اور اللہ اکبر کہہ کر جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔۔۔ کہیں قربان ہو رہے تھے جانور، کہیں خواہشیں کھڑی تھیں، کہیں منصور کو تختِ دار پر لے جایا جا رہا تھا۔۔۔

نرالے خود تو ہیں ان کی نصرت بھی نرالی ہے
چڑھا دیتے ہیں سولی پر جسے منصور کرتے ہیں

حیرت تھی، وہ سمجھ نہ سکا کہ محبت کیا کچھ کروا لیتی ہے اور ایک میں ہوں کہ مجھ سے میری خواہشیں نہیں چھوٹ رہیں، گناہ مجھ میں پنپ رہے ہیں اور میں ان میں ڈوبتا جا رہا ہوں۔

آنکھوں سے جھرنے لگ گئے اور کہا: ”اللہ تو جانتا ہے کیا شے مجھے عزیز ہے، جس کی جدائی کے خوف سے میری روح کانپ جاتی ہے، میں اس خواہش کو تیرے آگے آج قربان کرتا ہوں، ہر وہ جذبہ جو تیری نافرمانی میں پیدا ہو، اس جذبے کو آج قربان کرتا ہوں، ہر وہ خیال جو تجھے چھوڑ کر تیرے ماسوا کی جانب جائے، اس خیال کو قربان کرتا ہوں، ہر وہ گناہ جس کے بغیر زندگی موت لگنے گے، اسے قربان کرتا ہوں، ہر وہ حال جس میں تو مجھے دیکھ کر ناخوش ہو اسے قربان کرتا ہوں۔ مولی!!!! نہ میں مجنوں ہو سکا، نہ سرمد و منصور ہو سکا، بس اتنا کہتا ہوں کہ اب قربان کرتا ہوں جسے قربان کرنے میں میری روح تک کانپتی ہے۔

دل ڈوب رہا تھا اس سورج کی طرح جسے اندھیروں نے گھیر رکھا ہو۔

تکلیف ایسی تھی کہ جان نکل کر حلق کو اٹک گئی ہو اور روح کسی گہری کھائی میں پھینک دی گئی ہو۔ مگر محبت کی شدّت نے یہ نہ دیکھا، بس اتنا دیکھا کہ اللہ کے لیے جس کی چاہ زیادہ ہو اسے قربان کر ڈالو۔ ہر وہ گناہ کی خواہش جو مولیٰ سے دور کر دے، اسے قربان کرنا سچی محبت اور عشاق کا طریق ہے۔

لگا دیتے ہیں وصل میں اتنی اور ایسی شرطیں
کہ وہ منظور کرنے میں بھی نا منظور کرتے ہیں

ہم ان پر صدقہ ہو کر کر رہے ہیں زندگی حاصل
بلائیں ان کی لے لے کر بلائیں دور کرتے ہیں

خواہشوں کا جب ڈوب جائے گا سورج تو پھر اس کی محبت کی عنایت ہو گی۔

اللہ دیکھتے ہیں کہ بندہ اس کی محبت میں کیا کیا قربان کر سکتا ہے؟

محبت کی سودے بازی میں اللہ کو جیت لیں۔ گناہ کو چھوڑ دیں، اللہ کو نہ چھوڑیں۔

وہ مکہ کی سرزمین پر اپنے غم زدہ دل کو جھنجوڑ رہا تھا، مگر وہ خود پر برسنے والی اَن گنت رحمتوں کو نہیں دیکھ پا رہا تھا، کیوں کہ ابھی محبت نئی نئی تھی اور ابھی کپڑا دھلا تھا، ابھی رنگ چڑھے گا، ابھی بات بنے گی، ابھی نور نکھرے گا۔۔۔

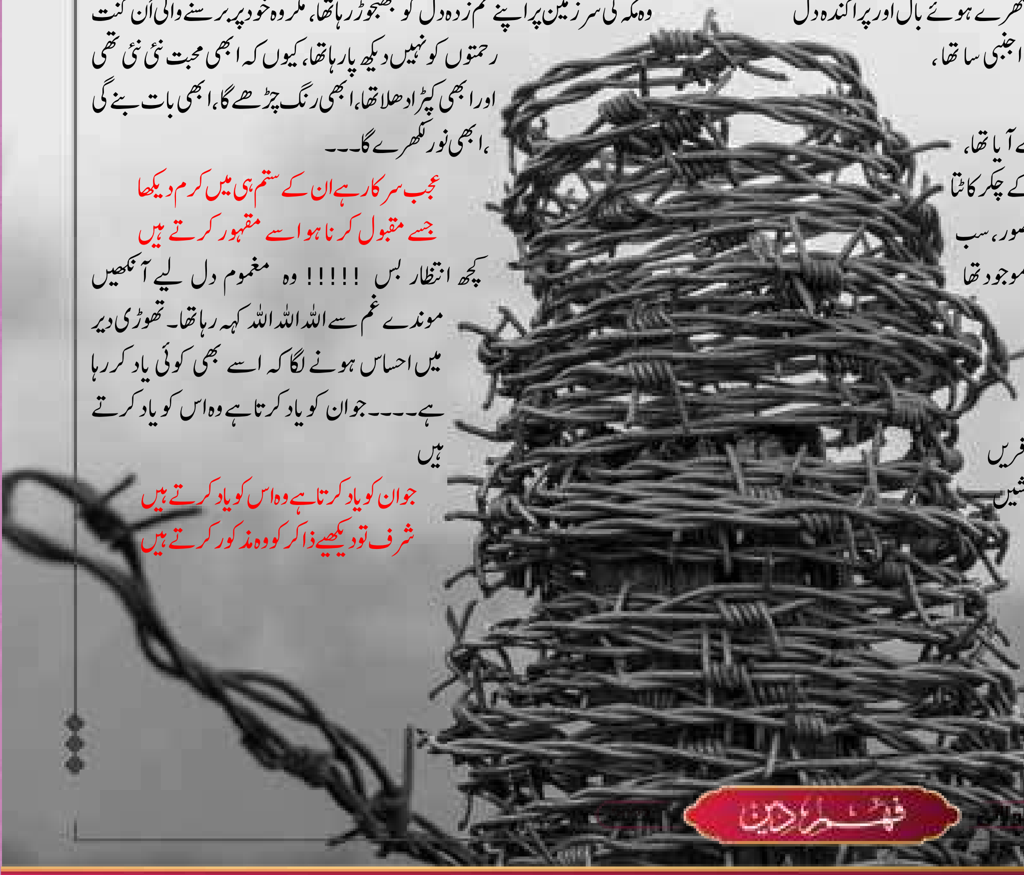

عجب سرکار ہے ان کے ستم ہی میں کرم دیکھا
جسے مقبول کرنا ہو اسے مقہور کرتے ہیں

کچھ انتظار بس !!!!! وہ مغموم دل لیے آنکھیں موندے غم سے اللہ اللہ کہہ رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں احساس ہونے لگا کہ اسے بھی کوئی یاد کر رہا ہے۔۔۔ جو ان کو یاد کرتا ہے وہ اس کو یاد کرتے ہیں

جو ان کو یاد کرتا ہے وہ اس کو یاد کرتے ہیں
شرف تو دیکھیے ذاکر کو وہ مذکور کرتے ہیں

عشرہ ذی الحج کے روزں کی فضیلت

سوال: عید الاضحیٰ سے پہلے کے نفلی روزے اوران کے فضائل کے بارے میں براہِ کرم بتایئے!

جواب: واضح رہے کہ عید الاضحیٰ کے دن سے پہلے نودن روزے رکھنا باعثِ ثواب ہے۔ حدیثِ پاک میں ان میں سے ہر دن کے روزے کو اجر میں ایک سال کے روزوں کے برابر قرار دیا گیا ہے، نیز خاص عرفہ (نو ذوالحجہ) کے روزے کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ گزشتہ ایک سال اور آیندہ ایک سال کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے اور ذوالحجہ کے پہلے عشرے کی ہر رات عبادت کا ثواب لیلۃالقدر کی عبادت کے برابر ہے۔

یکم سے دس ذی الحج تک ناخن، بال کاٹنے کا حکم

سوال: یکم ذی الحج سے دس ذی الحج تک ناخن، بال کاٹنے کا استحباب صرف جانور ذبح کرنے والے کے لیے ہے یا قربانی کے جانور میں شریک سب کے لیے ہے؟

جواب: واضح رہے کہ چاند دیکھنے کے بعد جس کا قربانی کا ارادہ ہو، اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ ناخن، بال نہ کاٹے جب تک کہ قربانی نہ ہو جائے، لیکن یہ مستحب اس شرط سے ہے کہ زیرِ ناف اور بغلوں کی صفائی اور ناخن کاٹے ہوئے چالیس دن نہ گزرے ہوں، اگر چالیس دن گزر گئے ہیں تو ایسی صورت میں بال وغیرہ نہ کاٹنے کا یہ حکم نہیں، بلکہ حکم یہ ہے کہ صفائی کرے، کیوں کہ زیرِ ناف بال، ناخن کاٹنا امورِ فطرت میں سے ہے اور ہر ہفتے مستحب اور چالیس دن کے اندر کاٹنا مسنون ہے، اس سے زیادہ باقی رکھنا مکروہِ تحریمی اور ناجائز ہے۔ اور اگر قربانی کا ارادہ نہ ہو تو اس کے لیے مستحب بھی نہیں، ان دنوں میں بھی کاٹے جاسکتے ہیں۔

وصیت کرنے کا حکم

سوال: میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ اگر کوئی مسلمان شخص اپنی زندگی میں یہ وصیت کرے کہ اس کے پاس جو ایک مکان ہے جو صرف اسی کی جائیداد ہے، وہ اپنی زندگی میں اس کا مالک اور قابض ہے اور بعد اس کے انتقال کے اس مکان کو مسجد کے لیے وقف کر دیا جائے تو یہ بتائیں کہ اگر اس کے وارث ہیں تو اس مکان پر مسجد کا کتنا حصہ ہو گا، پورا مکان مسجد کو دے دیا جائے گا یا ان وارثین کو بھی کچھ حصہ ملے گا؟ اس کی جائیداد صرف یہ مکان ہی ہے۔

جواب: صورتِ مسئولہ میں اگر اس شخص کا ترکہ صرف وہی مکان ہے اور مرحوم کے دیگر ورثا اس مکان کو مسجد میں دینے کے لیے راضی نہیں ہیں تو اس مکان کا ایک تہائی حصہ مسجد کا ہو گا اور دو تہائی حصہ میں ورثا اپنے حصص کے اعتبار سے حصہ دار ہوں گے۔

مریض پر رحم کھاکر -Mercy killing- یعنی قتل ترحم کا حکم

سوال: کسی مریض پر رحم کھاتے ہوئے اسے قتل کر دینا اسلام میں کیسا ہے؟

جواب: واضح رہے کہ کسی مریض پر رحم کھا کر اس کو قتل کر دینا یہ قتلِ نفس ہے اور عمداً کسی کو قتل کرنے کی وجہ سے قاتل پر قصاص لازم آئے گا، جبکہ یہ طرزِ عمل مریض پر رحم نہیں، بلکہ اس پر ظلم ہے۔ اللہ کے سوا کس کو علم ہے کہ یہ مریض اس مرض سے مر جائے گا؟ کتنے ایسے مریض تھے جن کو ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے کر جواب دے دیا، لیکن وہ ٹھیک ہو کر کئی سالوں تک زندہ رہے، لہٰذا اس طرزِ عمل سے احتراز کرنا چاہیے۔

دانتوں پر خول چڑھانے کی صورت میں وضو اور غسل کا حکم

سوال: زید کے آگے کے ایک دانت کا کچھ حصہ ٹوٹ جانے کے سبب دانت کافی بدنما نظر آرہا تھا، اس وجہ سے زید نے اس دانت پہ اسٹیل کا خول چڑھوالیا۔۔۔ کیا یہ جائز ہے اور کیا دانت کے قدرتی حصہ پہ پانی نہ پہنچنے کے سبب غسلِ جنابت صحیح ہو گا؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں دانت کے اوپر اسٹیل کا خول چڑھانا جائز ہے، پھر دانت کے اندرونی حصہ میں جو کہ خول سے ڈھکا ہوا ہے، غسلِ جنابت میں پانی پہنچانا ضروری نہیں ہو گا، اختیار سے باہر ہے، اگر پانی چلا گیا، ٹھیک ہے، ورنہ کوئی حرج نہیں۔

لمبے اور ٹیڑھے دانت صحیح کروانے کا حکم

سوال: جس کے دانت ٹیڑھے ہوں تو کیا وہ سیدھے کرواسکتا ہے؟

جواب: واضح رہے کہ کسی مرض کے عیب کے ازالے کے لیے دانتوں کو رگڑنا یعنی چھوٹا کرنا جائز ہے، البتہ خوب صورتی کے لیے دانتوں کو رگڑنا اور چھوٹا کرنا جائز نہیں۔

معدے کو سخت نقصان پہنچانے والی ”کفین“ محرقِ ذہن بھی۔۔۔

معدے کو سخت نقصان پہنچانے والی پانچ چیزیں تو ایسی ہیں جن کا معدے پر مسلسل دھاوا رہتا ہے۔ انھی کی وجہ سے معدہ میں شکست وریخت ہو رہی ہوتی ہے جو ہمیں محسوس تو ہوتی ہے، لیکن ہمیں نظر نہیں آتی۔ سب سے اول تو کفین ہے جو کافی، کولا، چائے والے مشروبات کا جزوِ اعظم ہے، اس سے معدے میں تیزاب کی افزائش ہوتی ہے اور زیادہ دیر تک رہتی ہے۔ یہ تیزاب شروع شروع میں معدہ کی سطح پر سوزش، خراش اور داغ ڈالتا ہے جو بالآخر قرح معدہ (السر) کا باعث ہوتا ہے۔ ایک کافی کی پیالی میں کفین کی مقدار دو گرین (رتی) ہوتی ہے۔ یہ بات دل چسپ ہے کہ کفین اس قدر سخت محرقِ ذہن ہے کہ زمانۂ قدیم میں بے ہوش مریضوں کو ہوش میں لانے کے لیے ساڑھے سات گرین کھلائی جاتی تھی، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہم کس طرز پر جسم کو بشمولِ معدہ ان چیزوں سے تحریک پہنچا رہے ہیں اور پھر گھبراہٹ کی شکایت کرتے ہیں۔

”تمباکونوشی“ تیزاب کی افزائش میں افراط کا سبب ہے

تمباکونوشی سے جسم کی باریک رگیں سکڑ کر تنگ ہو جاتی ہیں۔ معدہ کی سطح پر جہاں جہاں رگیں سکڑ جاتی ہیں، وہاں داغ پڑ جاتے ہیں اور یوں اس جگہ خون کی رسائی منقطع ہو جاتی ہے اور بالآخر وہاں قرح معدہ بننا شروع ہو جاتا ہے۔ تمباکو سے شروع شروع میں جو متلی ہوتی ہے، وہ دراصل مسموم تمباکو کے خلاف معدہ کا احتجاج ہے اور یہ احتجاج معدہ اس وقت تک کرتا رہتا ہے جب تک وہ اس قابل رہتا ہے، یہاں تک کہ بالآخر ہتھیار ڈال دیتا ہے، اگر تمباکو خالی معدہ کھایا یا پیا جائے تو یہ اثرات زیادہ نمایاں ہو جاتے ہیں، نتیجتاً جہاں جہاں معدہ میں سوزش ہوتی ہے، وہاں سے خون کی ریزش ہونے لگتی ہے۔ تمباکو سے معدہ کبھی بھی معمول پر نہیں رہتا یا تو معدہ میں بے چینی رہتی ہے یا معدہ گم ہو جاتا ہے اور وجہ یہی ہے کہ یا تو تیزاب کی افزائش میں افراط رہتی ہے یا بالآخر معدہ کے غدود ماؤف ہو جانے کی وجہ سے جو معمول کے مطابق تیزاب نکلتا ہے، وہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ تمباکو ترک کرنے سے بھوک بڑھتی ہے، ہاضمہ درست ہوتا ہے اور قرح معدہ کا اندمال بھی سرعت کے ساتھ ہوتا ہے۔

مخرش شئے ”سرخ مرچ“

معدہ کو خراش پہنچانے میں دوسرا نمبر سرخ مرچوں کا ہے۔ معدہ اس طرح نرم ونازک ہے جس طرح آنکھ ہے، اگر آنکھ میں ذرا سی سرخ مرچ پڑ جائے تو قیامت آجاتی ہے، آنسو نکل آتے ہیں، آنکھ پُر دردِ متورم ہو جاتی ہے۔ مرچیں کھانے کے بعد معدہ کی صورتِ حال اسی سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ معدہ مخملی نرم ونازک سطح کے نیچے ہزاروں تیزابیت افزا غدود کہ جب بھی کوئی مخرش شئے معدہ میں داخل ہوتی ہے تو تیزاب کی افزائش شروع ہو جاتی ہے، بالکل اس طرح جس طرح آنکھ میں کوئی شے پڑنے سے ریزش ہوتی ہے۔ لعابِ معدہ تیزاب اور پیپسین پر مشتمل ہے، اگر ان کی ریزش ضرورت سے زیادہ اور خالی معدہ میں ہو گی تو یہ لعابِ معدہ اندرونی سطح کو گلانا شروع کر دے گا اور اس طرح قرح معدہ (زخم) نمایاں ہو جائے گا۔

شکرایک سفید زہر

شکر کے متعلق یہ حقیقت ہوتی جارہی ہے کہ یہ سفید زہر ہے اور کاش کہ یہ دریافت ہی نا ہوتی تو انسانی صحت کے لیے اچھا ہوتا۔ شکر کی وجہ سے معدہ کے منہ اور معدہ کے استر میں قرح ہو جاتا ہے، اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ شکر کے استعمال سے خون میں کارٹیسون بڑھتی ہے۔ کارٹیسون کے متعلق یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اس سے سوزش اور زخم ہو جاتے ہیں اور زخم کا اندمال دیر سے ہوتا ہے، اگر قرح معدہ کے مریضوں کو ایسی غذائیں دی جائیں جن میں شکر اور نشاستہ کم ہو تو قرح معدہ جلد بہتر ہونے لگتا ہے۔ معدہ کی حفاظت کے لیے قوّت بخش غذا کا استعمال کرنا چاہیے۔ معدہ کی مسلسل پامالی مرچ، کفین، مئے خوری، تمباکو اور شکر سے ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ چٹ پٹی مصالحہ دار) چاٹ کے بعد چائے اور تمباکونوشی کا نتیجہ بدہضمی اور گیس کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

”مئے نوشی“ سوزشِ معدہ کا سبب ہے

مئے نوشی کا بھی معدہ پر اثر جلانے کا ہے۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ اگر انگلی کے زخم پر غلطی سے ٹنکچر لگا دیا جائے تو کس قدر مرچیں لگتی ہیں، جو شئے مرچیں لگاتی ہے اور جلاتی ہے، وہ اسپرٹ ہے جو الکوحل اور شراب کا دوسرا نام ہے۔ اس لیے مئے نوشوں کو سوزش عموماً معدہ کی تکلیف کی وجہ سے رہتی ہے۔

حضرت اُمامہ رضی اللہ عنہا

محبوب ترین اہل

ندا اختر

حضرت اُمامہؓ ابوالعاص بن ربیعؓ کی صاحبزادی ہیں جو زینبؓ بنتِ رسول اللہ ﷺ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔
آں حضرت ﷺ کو حضرت امامہؓ سے نہایت محبت تھی۔ آپ ان کو اوقاتِ نماز میں بھی جدا نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ مسجد میں حضرت امامہؓ کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اس حالت میں نماز پڑھائی جب رکوع میں جاتے تو ان کو اتار دیتے، پھر کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے، اس طرح پوری نماز ادا فرمائی۔ اللہ اکبر!
آں حضرت ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ نجاشی بادشاہ نے کچھ چیزیں ہدیے میں بھیجیں، جن میں ایک زریں ہار بھی تھا۔ حضرت اُمامہؓ ایک گوشے میں کھیل رہی تھیں، آپ نے فرمایا میں اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ ازواج نے سمجھا کہ یہ شرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہوگا، لیکن آپ نے امامہؓ کو بلا کر وہ ہار خود ان کے گلے میں ڈال دیا۔ آں حضرت ﷺ کی وفات کے وقت سنِ شعور کو پہنچ چکی تھیں۔ اس لیے جب حضرت فاطمہؓ نے انتقال فرمایا تو حضرت علیؓ نے امامہؓ سے نکاح کر لیا، ابوالعاص نے حضرت زبیر بن عوام کو جو عشرہ مبشرہ میں داخل اور آں حضرت ﷺ کے پھوپھیرے بھائی تھے۔
حضرت اُمامہؓ کے نکاح کی وصیت کی تھی چناں چہ یہ تقریب ان ہی کی مرضی سے انجام پائی اور نکاح بھی خود انھوں نے پڑھایا۔ یہ 11 ہجری کا واقعہ ہے۔
40 ہجری میں جب حضرت علیؓ نے شہادت پائی تو مغیرہ بن نوفل عبدالمطلب کے پڑپوتے کو وصیت کر گئے کہ امامہؓ سے نکاح کر لیں، چناں چہ مغیرہ نے تعمیل کی۔ اس سے قبل امیرِ معاویہؓ کا پیغام پہنچا تھا اور انھوں نے مروان کو لکھا تھا کہ ایک ایک ہزار دینار (پانچ ہزار روپے) اس تقریب میں خرچ کیے جائیں، لیکن امامہؓ نے مغیرہ کو اطلاع دی تو انھوں نے فوراً حضرت حسنؓ کی اجازت سے نکاح پڑھ لیا۔ حضرت اُمامہؓ نے مغیرہ کے ہاں وفات پائی۔

سوءِ مزاج اور سوءِ ہضم

غذا کے ہاضمے کا عمل کھانے کے تصوّر، خوش بو اور ذائقہ کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے، بشرطیکہ وہ غذا من پسند ہو اس کے برعکس اگر جزبات برہم ہوں تو اس عمل میں فرق پڑ سکتا ہے، بلکہ اس کی وجہ سے ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔ یہ بھی مشاہدے میں آیا ہے کہ ہنڈیا میں چمچہ چلانے کی آواز یا کھانے کے بگھار کی مہک یا غذا کے تصوّر ہی سے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ ذائقے سے منہ میں پانی بھر آنے کا تو ہر شخص کو تجربہ ہے، لیکن عموماً یہ بات لوگوں کو نہیں معلوم کہ جس طرح ان حالات کے تحت منہ میں پانی آتا ہے، اسی طرح معدہ میں بھی پانی کی آمد شروع ہو جاتی ہے۔ یہ منہ اور معدہ کا پانی دراصل ہضم لعاب ہیں، جو غذا کو ہضم کرنے کے لیے آمادہ ہیں، ان کی افزائش فوری طور پر کھانے سے قبل شروع ہو جاتی ہے اور کھانے کے بعد تک جاری رہتی ہے جو غذا منہ میں چبائی جاتی ہے، وہ اگر من پسند ہو تو غذا کے معدہ میں پہنچنے سے قبل ہی لعاب کی افزائش میں فراوانی سے شروع ہو جاتی ہے۔
یہ صرف چبانے کا عمل ہی نہیں ہے کہ جس کے سبب سے معدہ میں لعاب پیدا ہوتا ہے کیوں کہ خالی پلاسٹک چبانے سے معدہ میں ہاضم لعاب پیدا نہیں ہوتا، جس دسترخوان پر خوش رنگ، خوش ذائقہ اور مفرّح غذائیں سلیقے سے چنی ہوں گی، وہاں حاضرینِ مجلس کے معدہ میں لعاب کی افزائش اپنے آپ شروع ہو جائے گی، اگر غذا اچھی طرح نہیں پکائی گئی ہو اور نہ اچھی طرح اسے پیش کیا گیا ہو، بد سلیقگی کا مظاہرہ ہو تو ہاضم لعاب کی افزائش حسبِ منشا نہیں ہو گی۔ اگر ناخوشگوار محسوسات اور جذبات مثلاً فکر، پریشانی، ناراضی اور خوف کی کیفیت طاری ہو جائے تو ہاضمہ کا عمل خراب ہو جائے گا۔ اس برافروختگی کے عالم میں منہ اور معدہ کے لعاب خشک ہو جائیں گے۔ اگر کھانے کے دوران یا بعد میں کسی بھی حیوان یا انسان کو غصہ دلایا جائے یا خوف کی حالت پیدا ہو جائے تو ہاضمے کا عمل متاثر ہو جائے گا اچھا خاصہ ہاضمہ کا عمل برہمی مزاج سے خلل پزیر ہو سکتا ہے۔
یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جزباتی نشیب و فراز کے یہ خطرناک اثرات صرف وقتی نہیں ہوتے کہ جس بات نے مزاج برہم کیا ہے اگر وہ دور بھی ہو جائے تو اس کے باوجود جو آگ لگی تھی وہ سلگتی رہتی ہے۔
اگر بچہ غصہ میں ہے تو اس وقت کھانے کے لیے اس کو مجبور نہ کیا جائے، اس طرح مدرسہ سے آتے ہی اگر بچوں کی طبیعت کھانے کو نہ چاہے تو انھیں مجبور نہ کیا جائے، اگر سختی کی جائے گی تو بچہ ڈر کی وجہ سے کھا تو لے گا، لیکن یا تو الٹی کر دے گا یا سوءِ ہضم میں مبتلا ہو جائے گا، اس طرح امتحانات کے زمانے میں بھوک اڑ جاتی ہے اور جی متلاتا ہے۔

معدہ کا فیل

معدہ کا فیل نہ صرف نظامِ ہضم کی خرابی سے متاثر ہوتا بلکہ ہجوم جزبات سے بھی، اگر انسان جزبات کے تحت مغلوب ہو جائے یا سخت جزباتی ہیجان میں مبتلا ہو جائے یا کسی وجہ سے اس پر شاق یا صدمہ گزرے تو معدہ کا فیل معطل ہو سکتا ہے، جو لوگ نفسیاتی اور جزباتی طور پر متوازن شخصیت کے مالک نہیں ہوتے ان کے معدے میں تیزابیت کی افزائش بافراط ہوتی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا معدہ تنا ہوا اور اکڑا ہوا رہتا ہے، جس سے تیزاب کی پیدائش زیادہ ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں معدہ میں تیزاب کی شدّت اور کثرت ہو سکتی ہے، جس کی زد معدہ سے زیادہ اس مقام پر ہوتی ہے، جہاں معدہ کا اتصال چھوٹی آنت سے ہوتا ہے کیوں کہ معدہ کا زیریں منہ بھی تنا ہوا ہوتا اور بند بھی، اس وجہ سے آنتوں میں دافع تیزابیتِ لعاب بھی معدہ میں داخل نہیں ہو سکتے اور اس طرح یہ لعابِ معدہ کے تیزاب کو معتدل نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگوں میں معدہ اور چھوٹی آنت کا السر نہایت عام ہے، جب تیزابیت بھی زیادہ ہو اور زخمِ معدہ بھی تو معدہ کے منہ پر سخت جلن اور درد ہوتا ہے، اس طرح کے لوگ ڈاکٹروں کے پاس بکثرت جاتے ہیں اور ان میں اکثر کی علّتِ مرض صرف فکر اور پریشانی ہوتی ہے۔

پانی ایک نعمت

عمارہ فہیم

”اللہ رب العزت نے انسان کو بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے، جن میں مختلف قسم کے پھل، میوے، معدنیات، آگ، ہوا، مٹی، پانی وغیرہ شامل ہیں، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہر نعمت ہی انسان کی ضرورت ہے، جس کے بغیر اس کا گزارا ناممکن ہے، مگر ان سب میں پانی ایک ایسی نعمت ہے جس کی ضرورت نہ صرف انسانوں بلکہ چرند پرند، درختوں، کھیتوں، پودوں کو بھی ہوتی ہے۔“
”پانی کی اہمیت کا اندازہ سب سے پہلے تو اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم میں 59 مقامات پر پانی کا مختلف انداز میں ذکر فرمایا گیا ہے، کہیں فرمایا: اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا یعنی ہم نے آسمان سے بارش برسائی، کہیں فرمایا: خوب بھرے ہوئے بادلوں سے خوب بھرا ہوا پانی برسایا (جو تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کو سیراب کرتا ہے)، کہیں فرمایا: جنت میں ایسا چشمہ ہوگا کہ جس سے مقرب بندے پیئں گے۔“
”اور جب بارش ہو تو بچہ، بوڑھا، جوان ہر کوئی خوشی سے جھوم اٹھتا ہے، یہی نہیں درختوں کے پتے تک ایسے کھل اٹھتے ہیں، جیسے کہہ رہے ہوں ہاں! ”پانی سے تو مسکراتی ہے سب کی زندگی“ یہی تو دیتی ہے سب کو تازگی، یہی تو دوبارہ جی اٹھنے کی سکت پیدا کرتا ہے۔
پہلے تو جب آسمان سے مینہ برستا تھا تو بچے کاغذوں کی کشتیاں بنا کر خوب جھوما کرتے تھے۔
کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

بچپن کی وہ امیری نہ جانے کہاں کھو گئی
جب پانی میں ہمارے جہاز چلا کرتے تھے

اور کہا:

جب بارش کے پانی میں بہا کر مسکراتے تھے
مجھے کاغذ کی وہ کشتی ذرا پھر سے بنا دینا

”یہی نہیں! کہ مختلف مقامات پر بس پانی کا ذکر ہو گیا یا بارش کا سماں بندھ گیا اور بات ختم، سائنس دانوں نے نظامِ شمسی کے کئی سیاروں پر اس لیے سفر کیا کہ جان سکیں کہ آیا وہاں پانی کے آثار موجود ہیں یا نہیں، لیکن آج تک وہ اس تحریک میں کام یاب نہ ہو سکے، ہماری یہ خوش قسمتی ہے کہ ہمارے کرّہ ارض پر ستر فیصد پانی اور تیس فیصد خشکی ہے اور یہی حال انسانی اعضا کا بھی ہے، قرآن کریم میں فرمایا: مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَہٗ
مطلب یہ کہ انسان کو نطفہ یعنی پانی کے قطرے سے بنایا، انسان کی پیدائش صرف پانی سے ہونے کے بعد ایسا نہیں ہوا کہ اسے پانی کی ضرورت نہ رہی یا اس میں پانی کی مقدار معمولی سی رہ گئی ہو بلکہ انسانی جسم میں ستر فیصد پانی پایا جاتا ہے، خون ہے تو اس میں 83 فیصد، دماغ میں 85 فیصد، جلد میں 64 فیصد، غرض جسم کے تمام اعضا دل، گردے، پھیپھڑے، جگر، آنکھ سب میں نصف سے زیادہ پانی موجود ہے، جسم کے درجۂ حرارت کو منظّم رکھنا ہو یا ٹشوز و جوڑوں کے درد سے حفاظت چاہتے ہوں، جسم سے فالتو مادوں کا اخراج ہو یا ہو عملِ انہضام میں مدد درکار، ہر ہر چیز کے لیے پانی کی مقدار کا جسم میں پورا ہونا ضروری ہے۔
”جب بات ہو پانی کی تو مسلمانوں کے لیے سب سے قیمتی پانی آبِ زم زم کو کیسے بھول سکتے ہیں، وہ پانی جو اسماعیل علیہ السلام کے ایڑھیاں رگڑنے سے اللہ رب العزت نے عرب کے صحرا میں جاری کیا اور اماں ہاجرہ علیہا السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ہم سب کے لیے برکت والا، شفا والا پانی عطا کیا اور اس کنویں کا پانی جس میں نبی علیہ السلام نے لعابِ دہن ڈالا وہ آبِ شفا بن گیا۔“
تو ثابت ہوا پانی بیماریوں سے لڑنے میں مدد دیتا ہے اور جسم کو صحت مند توانا بناتا ہے، اگر یہ پانی نہ ہو تو جسم ایک پودے کی طرح مرجھا کر ختم ہو جاتا ہے۔

زیست کا اعتبار کیا ہے امیر؟
آدمی بُلبُلہ ہے پانی کا

”اسی لیے تو کہا جاتا ہے: پانی زندگی ہے، اسی سے مسکراتی زندگی ہے، اسی کے دم سے خوش باش زندگی ہے۔
”اب جہاں انسانی زندگی کے لیے پانی ضروری ہے تو وہیں اس کا پاک صاف ہونا بھی بہت اہم ہے، اکثر شہروں، دیہاتوں، علاقوں میں صاف پانی میسر ہی نہیں، پاکستان میڈیکل ہیلتھ ایسوسی ایشن کا کہنا ہے کہ: ملک میں نوے فیصد بیماریوں کی وجہ پینے کا پانی ہے، جس کی وجہ سے ہر سال ہزاروں بچے، بڑے خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہو کر موت کی نیند سو جاتے ہیں، بہت سے علاقوں میں تو کئی کئی روز پانی کی بندش نے ہر ایک ذی روح کو بے حال کر رکھا ہے، ہمارا ملک پاکستان الحمدللہ قدرت کی بیش بہا نعمتوں سے مالا مال ہے، سمندر ہیں، دریا، چشمہ سب ہیں، مگر ان کی حفاظت و صفائی پر خاص توجہ کی ضرورت ہے، سیوریج اور انڈسٹریل ویسٹ کا پانی جو دریاؤں میں جا رہا ہے، اسی سے سبزیوں پھل وغیرہ کی کاشت ہو رہی ہے جو انسانی صحت کے لیے سیدھا سیدھا زہر کا کام کر رہا ہے، یہی نہیں! بارش کے پانی کو محفوظ کرنے کا نظام بھی کم زور ہے، سال 14-2013 کی رپورٹ کے مطابق حکومتی پلان میں یہ کہا گیا تھا کہ دنیا بھر میں پانی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت چالیس فیصد جب کہ پاکستان میں صرف نو فیصد ہے۔“
”دنیا کی بقا اور خوش حالی کا محصور جن چیزوں پر ہے، ان میں سے ایک پانی ہے، اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا پیارا چمن خوش حال، خوش باش ہو تو ہمیں پانی کو محفوظ کرنے اور صاف پانی کی فراہمی کے لیے جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کرنا ہوگا، یہاں حکومتی اداروں کے ساتھ عوام کو بھی عقل و شعور سے کام لینے کی ضرورت ہے کہ پانی کا فضول ضایع کرنے سے گریز کریں، ورنہ وہ وقت دور نہیں جب ہمیں پانی کی کمی سے دوچار ہونا پڑے اور پانی کی کمی ہونے کا مطلب موت کے سوا کچھ نہیں۔“
”ہمیں اپنی زندگی (پانی) کو بچانا ہے، ہمیں مسکرانا ہے، کیوں کہ پانی سے ہے مسکراتی زندگی، پانی اک نعمت ہے، اس کی قدر کریں!۔“

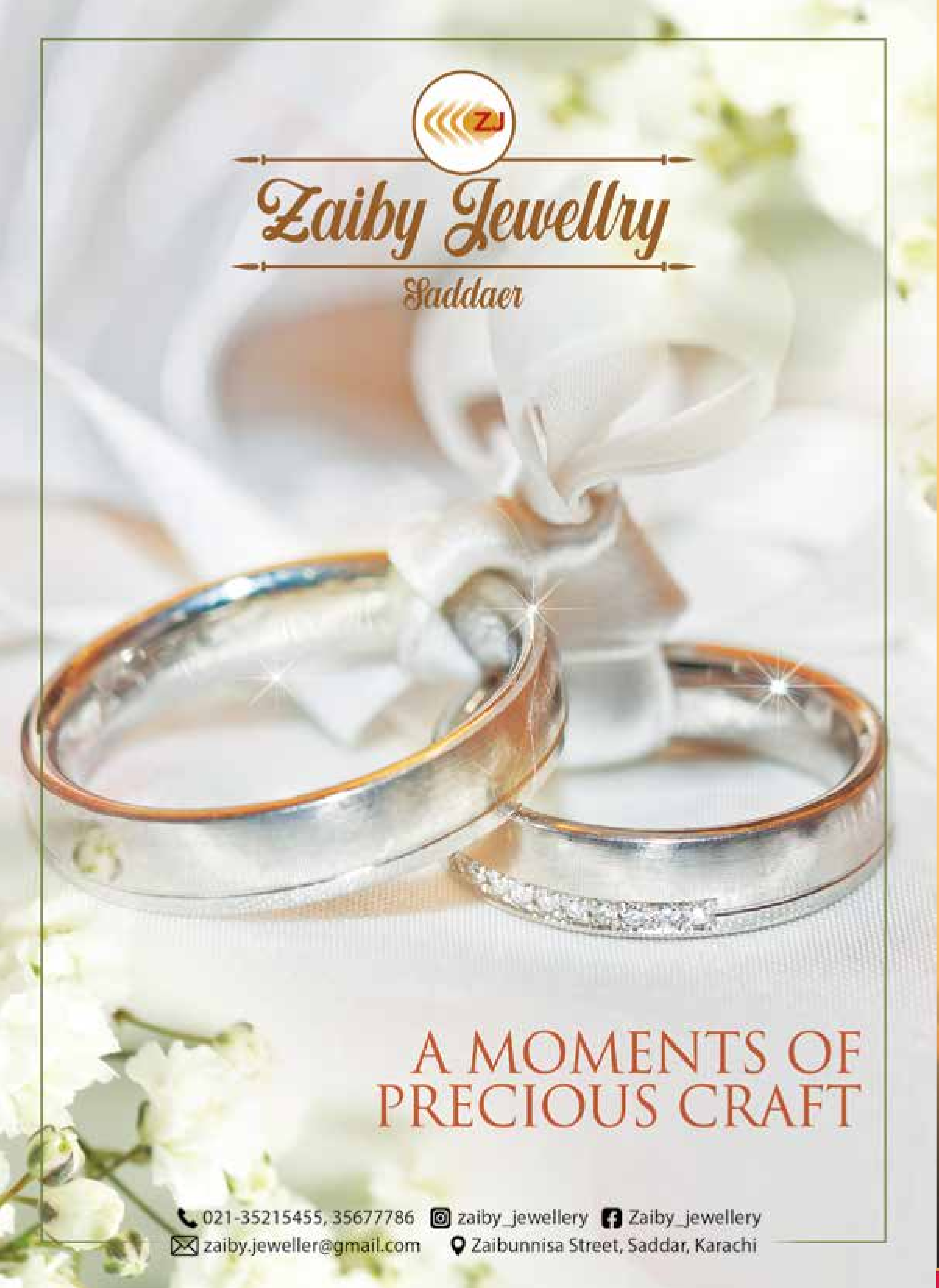

غزوہ احد اور معرکہ موجود

میں احد پہاڑ کے سامنے کھڑی ہوں۔

سیرت رسول ﷺ میں پڑھا ہوا غزوۂ احد میری نگاہوں میں گھومنے لگا ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ وادی کے آخری سرے پر گھاٹی میں اپنا کیمپ اس طرح لگوا چکے ہیں کہ پیچھے اُحد پہاڑ، سامنے مدینہ اور درمیان میں کفّار کا لشکر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بصیرت افروز نگاہیں میدانِ جنگ کا بھرپور جائزہ لے رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے پچاس تیر اندازوں کو حضرت عبداللہ بن جبیر انصاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں عینین کے درّے پر مامور فرمادیا ہے۔

میری نگاہیں اس چھوٹی سی پہاڑی اور اسلامی کیمپ کے مابین ڈیڑھ سو میٹر کا فاصلہ ناپ رہی ہیں۔

جبلِ رماۃ نامی اس پہاڑی پر تیر اندازوں کو تعیّنات کرتے ہوئے آپ ﷺ سختی سے تاکید فرما رہے ہیں کہ تمہارا کام دشمن کو تیر مار کر ہم سے دُور رکھنا ہے، تاکہ وہ پُشت سے حملہ نہ کر پائے۔ ہم جیتیں یا ہاریں، تمھیں اپنی جگہ ہی پر ڈٹے رہنا ہے۔ جب تک مَیں نہ بلاؤں جگہ نہ چھوڑنا۔

آپ ﷺ فرما رہے ہیں:

"اگر تم لوگ دیکھو کہ ہمیں پرندے اُچک رہے ہیں تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ یہاں تک کہ مَیں بُلا بھیجوں اور اگر تم لوگ دیکھو کہ ہم نے مشرکین کو شکست دے دی ہے اور اُنھیں کچل دیا ہے تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا، یہاں تک کہ مَیں بُلا بھیجوں۔"

اس اہم مورچے کو محفوظ بنا کر آپ ﷺ مزید لشکر کی صف بندی میں مصروف ہو چکے ہیں۔

وقت گزر رہا ہے۔ جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔ کہیں حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہٗ شمشیر رسول ﷺ کا حق ادا کر رہے ہیں اور کہیں نوبیاہتا حضرت حنظلہؓ شجاعت و بہادری کے جوہر دکھا رہے ہیں اور انہی دو پر کیا موقوف وہاں تو سب ہی جاں نثارانِ رسول ﷺ دشمنانِ اسلام پر قہر بن کر ٹوٹ رہے ہیں۔

کفار شکست کھا کر بھاگ رہے ہیں۔ مسلمان فوج مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کی ابتدا کر چکی ہے۔

گھاٹی پر تعینات تیر انداز مسلم لشکر کو مالِ غنیمت اکٹھا کرتے دیکھ کر پہاڑی سے نیچے اتر رہے ہیں۔

پہاڑی پر صرف حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اپنے نو ساتھیوں کے ساتھ رہ گئے ہیں۔

اس سے پہلے کہ کتابوں میں پڑھا گیا شکست خوردہ کفار کا عقب سے کیا گیا حملہ اور میدانِ جنگ کا بدلتا ہوا نقشہ، مسلمانوں کا زیر اور کفار کا زبر ہونا میری نگاہوں کے سامنے مجسم ہو جائے، میں تیر انداز دستے کو آوازیں دینے لگتی ہوں۔

"اے جانبازو! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان جب تک میں نہ کہوں نیچے نہ اترنا، چاہے ہم ہار جائیں یا جیت کر مالِ غنیمت سمیٹنے لگیں۔" کو پسِ پشت نہ ڈالو۔ مال اکٹھا کرنے میں نہ لگ جاؤ۔ جنگ کا نقشہ بدل جائے گا۔ میں بے قرار ہو کر گھاٹی کی جانب بھاگتی ہوں۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے نو ساتھیوں کا دسواں ساتھی بننا چاہتی ہوں کہ امی عائشہ رضی اللہ عنہا کی آواز دامن تھام لیتی ہے۔ آپ مجھ سے مخاطب ہیں: "اے میری بیٹی! نبی مہرباں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ صرف تیر انداز دستے کو ہی نہیں تمھیں بھی کوئی مورچہ سونپ گئے ہیں۔ تمہارے لیے بھی فرمانِ رسول ﷺ ہے کہ تمہارے لیے لازم اور ضروری ہے کہ تم اپنے گھروں میں رہو، پس یہی تمہارا جہاد ہے۔"

میں ٹھٹھک کر رک جاتی ہوں، مگر ایک صحابیہ جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت سے سرشار بارگاہِ رسالت میں سوال کرتی ہیں۔ "اے رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے جہاد کو فرض کیا اور مرد جہاد میں شریک ہوتے ہیں اور مالِ غنیمت پاتے ہیں اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو اپنے رب کے پاس انھیں رزق دیا جاتا ہے، جہاں وہ زندہ ہیں، پھر ان کے مساوی ہمارے لیے کون سا عمل ہے؟" آپ ﷺ فرما رہے ہیں:

"اپنے شوہر کی اطاعت و فرماں برداری کرو اور ان کے حقوق کو پہچانو"۔ (یہ جہاد کے برابر ہے)

میں جہاں ہوں، میرے قدم وہیں جم گئے ہیں۔ نگاہوں کے سامنے کا منظر بدل چکا ہے۔ خطۂ ارضی میدانِ جنگ نظر آ رہا ہے۔ کفار و مومنین کے لشکر آمنے سامنے ہیں۔ گھر کے محاذ پر تعینات مسلمان عورتیں اپنے مورچے پر نہیں ہیں۔ بچوں کی پرورش کی ذمہ داری اور گھر کو جائے سکون بنانے کا جذبۂ جہاد ماند پڑ چکا ہے۔ مالِ غنیمت کی کشش کہیں اپنی خواہش پر، کہیں کسی مجبوری کی بنا پر اور کہیں جبراً انھیں اپنے محاذ سے ہٹا رہی ہے۔ دشمن چاروں جانب سے حملہ آور ہیں اور مسلم لشکر بدحواس ہو کر اپنوں ہی کو اپنے پاؤں تلے کچل رہا ہے۔

میں جامد ساکت جہاں کھڑی ہوں، بت بن چکی ہوں۔

میدانِ جنگ لشکرِ اسلام سے مطالبہ کر رہا ہے کہ مسلم عورت انسان سازی کا کام کرے، مگر وہ تو مغرب کی اندھی تقلید میں ہے۔ بچوں کی اچھی تربیت کر کے، انھیں حافظِ قرآن، عالم و داعیٔ دین، مجاہد و سائنس دان بنا کر، گھر کو جنت بنا کر جنت پانے کا مقصدِ حیات کہیں کھو گیا ہے۔ جلد از جلد، ابھی اور اسی وقت مردار دنیا کے حصول کی خواہش غالب آ چکی ہے۔ آہ، جیسے غزوۂ اُحد میں گھاٹی پر متعین دستہ اپنا مورچہ چھوڑ بیٹھا تھا، بالکل ویسے ہی ترقی ترقی، آزادی و حقوقِ نسواں کرتے کرتے مسلم عورت اپنا مورچہ اپنا گھر چھوڑ رہی ہے۔ یہیں سے لشکر کفار حملہ آور ہے۔ گھروں میں بے یار و مددگار بچوں کی شہ رگ پر آن لائن گیمز اور دیگر خرافات دشمن کے کسی تیز دھار خنجر کی مانند رکھی ہیں۔

میں گھبرا کر چار جانب دیکھتی ہوں۔

عورت سے متعلق مسلم لشکر کا زاویۂ نگاہ بدلا بدلا ہے۔ حضرت خدیجہؓ کی بے مثل پشت پناہی، حضرت سمیہؓ کے خون کی سرخی، حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت امِّ سلمہؓ کی مشکلات میں ثابت قدمی، حضرت عائشہؓ کی ذاتِ گرامی سے پھوٹتی علم کی روشنی اور حضرت فاطمہؓ کی تربیتِ اولاد کی تقلید کی بجائے مسلم معاشروں کو عورت کا کوہِ پیما، کھلاڑی، سیاست دان، باکسر، ہواباز وغیرہ بننا مرغوب ہو رہا ہے۔ اس سب کے حصول کے لیے مسلم عورت اپنا گھر، اپنا مورچہ چھوڑ رہی ہے اور جیسے جیسے وہ اپنا مورچہ چھوڑ رہی ہے قلب، مقدّمہ، میمنہ، میسرہ ساقہ سب کے سب اپنے مقام سے ہٹ رہے ہیں۔ نہ کوئی نظم باقی ہے نہ ترتیب۔

آہ! جبل رماۃ، آہ! گھر کا مورچہ ------------

میں غزوۂ اُحد کے وقت حاضر نہیں تھی، میں غنیمت غنیمت کرتے تیر اندازوں کو پکار نہیں سکتی تھی۔ مگر میں رِزم حق و باطل کے اس معرکے میں موجود ہوں۔

اے امت!

میں تمھیں پکار رہی ہوں۔

مسلم عورت کا جہاد گھر کو جنت اور اولاد کو باکردار مسلمان بنانا ہے۔

اس کا مورچہ اس کا گھر ہے جسے اسے جنت بنانا ہے۔

اپنی نرم گرم آغوش میں تعلیم و تربیت کے پیاسے ایڑیاں رگڑتے نونہالوں کو قرآن و سنت کے چشمے سے سیراب کرنا ہے۔

اے امت! اپنے گھر کے مورچے کو محفوظ بناؤ۔ دشمن کے عقبی حملوں کو روکو۔ معرکہ موجود میں اپنے لشکر کا نظم درست کرو۔

بلاعنوان

قرأت گلستان

اس کہانی کا بہترین عنوان رکھنے پر تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 31 جولائی ہے۔

جدہ ایئرپورٹ پر انزل احرام باندھے اپنی بیوی سیمی کا ہاتھ پکڑے کھڑا تھا اور نیچے سیمی نے یہ جملہ لکھ کر دل کا ایموجی لگایا تھا۔

خوب صورت سفر ہم راہ بہترین ہم سفر

تصویر بلاشبہ بہت پیاری تھی، لیکن سیمی کا اسٹیٹس دیکھ کر روشن بیگم کی آنکھوں میں ستارے چمک گئے تھے۔

"نجانے ہم غلط تھے یا آج کے بچے زیادہ سمجھ دار ہوگئے ہیں؟" روشن بیگم نے بے دردی سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے سوچا اور چشمہ اتار کر آنکھیں موند کر بیٹھ گئیں۔

دیوار سے ٹیک لگا کر وہ پچھتاووں کا ہاتھ تھامے ماضی کے سفر پر روانہ ہو گئیں۔

رقیہ نوٹوں کی گڈی روشن کو تھما کر خود تھلی سے بیٹھ کر ٹھنڈا ٹھار شربت کا گلاس گھونٹ گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے پیسے گنتی روشن کو دیکھ رہی تھی۔

"گن لیے؟" روشن کو گن کر دوبارہ ربڑ بینڈ لگاتے دیکھ کر رقیہ نے پوچھا تو اس نے اثبات میں گردن ہلادی۔

"جی آپا پورے ایک لاکھ ہیں۔" روشن نے کہا تو رقیہ فوراً پوچھ بیٹھی۔

"اب کیا پروگرام ہے؟ روشن کیا کرو گی اتنی بڑی رقم کا؟" رقیہ آپا کے اس سوال پر روشن کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ اس نے سن رکھا تھا کہ کمیٹی بنانے والی عورتیں رقم رُلا کر دیتی ہیں اور اگر اتفاق سے کوئی وقت پر دے دے تو کسی نہ کسی بہانے ادھار مانگ لیتی ہیں۔ ابھی فلاں کو بہت ضرورت ہے، ارے ڈھمکاں کے گھر میں شادی ہے ابھی اس کو دے دو۔ آپ اس کی لے لینا۔ یہ وہ اور اس طرح کی بہانے بازیاں۔

"آپا بڑی رقم کی ضرورت تھی جب ہی بڑی کمیٹی ڈالی تھی۔" روشن نے تیوری چڑھا کر جواب دیا۔

"یہ ہاتھ جتنے تو بچے ہیں، آپ کو بھلا کیا بڑا کام ہوگا؟" رقیہ آپا نے ہنس کر کہا۔ روشن مزید چوکس ہو گئی۔

"اوپر چھت ڈلوانی ہے، کمرے بنانے ہیں، پورا ڈیڑھ لاکھ کا خرچہ ہے۔" روشن نے بڑھا چڑھا کر خرچ بتایا۔

"یہ گھر تو بنتے رہیں گے روشن! میری کمیٹی سے تو کئی لوگ سالوں سے حج پر جاتے ہیں۔ آپ کے بھی بچے ابھی چھوٹے ہیں، میری مانو دونوں میاں بیوی حج کا فارم بھر لو۔ پچھلے ماہ امیر صاحب کی کمیٹی تھی۔ انھوں نے بھی دو ٹکٹ حج کے بھر لیے۔" رقیہ آپا نے اس قدر خوشی سے بتایا جیسے ان ہی کی وجہ سے امیر صاحب اپنی بیگم کے ساتھ حج پر جانے کے لائق ہوئے تھے۔

"ایسے کیسے حج پر چلے جائیں آپا! چھوٹے چھوٹے بچے، ابھی تو ان کی پڑھائی، بیٹی کا زیور، بیٹے کا گھر سب کرنا ہے اور ابھی تو عمر پڑی ہے، ابھی کوئی ہماری حج کی عمر ہے۔" روشن کو رقیہ کا مشورہ برا لگا تھا، وہ چمک کر بولی۔ اس کے انداز دیکھ کر رقیہ بھی جھٹ سے بول پڑی۔

"حج تو جوانی کا ہے روشن، یہ اپنی ٹانگوں پر بھاگ کر صفا مروہ، طواف کرنا یہ آگے آگے بڑھ کر جمرات تک جانا اور شیطان کو کنکر مارنا۔ ارے وہاں بسیں تو رینگتی ہیں، جوان جوڑے ہاتھ پکڑ کر پیدل ہی چل پڑتے ہیں۔ یہ مشقت والی عبادت تو جوانی کی ہے۔ دنیا کے سارے کام وقت آنے پر ہو جائیں گے۔ حج بڑھاپے میں اولاد کے آسرے پر وہیل چیئر پر بیٹھ کر کرنا بھی بھلا کوئی مزہ ہے۔" رقیہ آپا نان اسٹاپ شروع ہو گئی تھیں۔ روشن بے زار ہو کر اٹھ گئی۔ مارے باندھے رقیہ آپا کو ہی برقع پہننا پڑا۔

جمیل صاحب کے آفس سے لوٹتے ہی روشن نے مسکراتے ہوئے نوٹوں کی گڈی ان کو تھمادی۔ انھوں نے مسکرا کر اس کے ہاتھ سے لی اور نوٹ گننے لگے۔

"پورے ایک لاکھ ہیں گن چکی ہوں۔" روشن نے خوشی سے کہا۔ جمیل صاحب اوپر چھت ڈلوانے کے پروگرام پر کام کرنے کا ارادہ باندھنے لگے۔

"رقیہ آپا کہتی ہیں دونوں میاں بیوی حج کا فارم بھر لو۔ میری کمیٹی سے تو اکثر لوگ حج پر ہی جاتے ہیں۔" روشن نے رقیہ کے انداز کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔

"حج؟" جمیل صاحب نے بیگم کا جملہ سن کر تعجب سے دہرایا۔

"ہاں حج۔۔۔۔" روشن نے پھر رقیہ آپا سے ہوئی ساری گفتگو شوہر کے گوش گزار کی۔ شوہر نے ساری بات سن کر بیگم کو خوب شاباش دی۔

"ارے روشن ایک بار بس اوپر چھت ڈال کر کمرے بنالیں، پھر ہمیں روبی کی شادی سے پہلے تک کوئی خرچ نہیں، پھر تو سال سال حج عمرہ پاکستان ٹور، سب کریں گے انشاء اللہ۔" فراک میں بھاگتی دوڑتی پانچ سالہ روبی کو دیکھ کر جمیل صاحب نے کہا۔

"مہنگائی روز بروز بڑھ رہی ہے جمیل۔ اوپر کمرے ہوں گے تو کبھی ضرورت محسوس ہوئی تو کرائے پر بھی چڑھادیں گے۔" منہ میں کھلونے ڈالتے دوسالہ بیٹے انزل کو دیکھ کر روشن نے کہا۔ جمیل نے تائید کی۔

انسان جو سوچتا ہے اسی کے لیے تگ ودو کرتا ہے اور اسی کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ جمیل اور روشن نے اوپر چھت ڈال کر کمرے بنانے کا سوچا تھا، اسی کے لیے کمیٹی ڈالی، مشقت جھیلی اور بالآخر کر گزرے۔

اب روبی کا اسکول شروع ہو گیا تھا۔ خرچ بڑھ گئے تھے اور بیٹے انزل کی طبیعت آئے دن خراب رہتی تھی۔ ڈاکٹروں کے آئے دن کے چکروں کے بعد کمیٹی ڈالنا اور بڑی رقم جمع کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔ البتہ روشن اپنی کفایت شعاری کے طفیل چھوٹی موٹی کمیٹیاں ڈالتی تھی جن سے چھوٹے بڑے خرچ پورے ہو جاتے تھے۔

دو سال بعد انزل بھی اسکول جانے لگا۔ آمدنی وہی تھی اور خرچ بڑھ گئے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ مہنگائی بھی بڑھ رہی تھی، جمع جوڑ تو ناممکن ہی ہو گئی تھی۔

روبی نے میٹرک کا امتحان دیا تھا۔ خاندان سے اس کے لیے ایک رشتہ آیا تھا۔ روشن تو چپ چاپ حیرت سے آئے مہمانوں کو دیکھ رہی تھی۔

"جمیل! روبی اتنی بڑی ہو گئی کہ رشتے آنے لگے۔" مہمانوں کے جانے کے بعد اس نے حیرت سے کہا۔ جمیل صاحب مسکرانے لگے۔

"شادی کے بعد فقط بیس سال کی تو کہانی ہے، شادی ہوئی اگلے سال ماں باپ بنے۔ اٹھارہ انیس سال بعد ساس سسر اور بیس سال بعد نانا نانی۔ اس کے بعد چل میرے بھائی۔" جمیل نے ہاتھ کا اشارہ کر کے اوپر جانے کا کہا تھا۔ روشن دہل گئی۔

"اللہ بچوں کی خوشیاں اکٹھے دکھائے، کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟" روشن نے غصے سے کہا تو جمیل ہنسنے لگے۔

"ابھی ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے بیگم۔ میں نے ایسے ہی ایک بات کی ہے۔"

"ایسی باتیں نہ کریں۔" روشن نے ناراضی سے کہا۔

روشن کے پاس زیور تو بہت تھا۔ وہ چھوٹی موٹی بچتیں کر کے چھوٹے چھوٹے سیٹ بناتی رہتی تھی۔ اس لیے اس طرف سے بے فکر تھی، البتہ شادی کا خرچ اسے جمع کرنا تھا۔ رشتہ تو انھوں نے روبی کا طے نہیں کیا البتہ شادی کے لیے جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔

تین سال بعد روبی کی دھوم دھام سے شادی کر دی تھی۔ کہیں بھی کوئی کمی نہیں تھی۔ آج روشن اور جمیل مطمئن تھے کہ ایک فرض سے آزاد ہوئے۔

روبی کی شادی میں جمع جوڑ کے علاوہ ایک بڑی کمیٹی بھی لگائی تھی جو کہ آنے والے چار سالوں تک ان کو بھرنی تھی، لیکن وہ بے فکر تھے۔ "کماتے رہیں گے بھرتے رہیں گے۔" اور واقعی جب روبی کا بیٹا تین سال کا ان کی گود میں بیٹھا نانو کہہ رہا تھا، تب جا کر کمیٹی ختم ہوئی تھی۔

کمیٹی کے ساتھ ہی انزل کی پڑھائی بھی ختم ہو گئی تھی۔ روشن کو اکثر خیال آتا تھا کہ وہ بھی اللہ کا گھر دیکھ آئیں، لیکن اب تو ایک عمرہ بھی لاکھوں کا تھا کجا کہ وہ میاں بیوی دونوں جائیں۔

"دل تو میرا ابھی ہے حاجیانی، میری ریٹائرمنٹ سے سب سے پہلے حج کا فارم بھریں گے۔" نئی نئی داڑھی رکھ کر مسجد کا رخ کرنے والے جمیل صاحب نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔

"حج تو بہت مہنگا ہے جمیل اور مجھے تو انزل ساتھ چاہیے ہوگا، میں تو دو قدم چلتی ہوں سانسیں پھول جاتی ہیں۔ انزل ہی وہیل چیئر پر کروائے گا تو ہوگا۔"

میرے مہروں کا درد بھلا مجھے کہاں زیادہ دیر بیٹھنے دیتا ہے۔ روبی کو بھی لے جائیں گے۔ انزل میری وہیل چیئر چلائے اور روبی تمہاری۔ جمیل صاحب کی بات روشن بیگم کے دل کو لگی۔

۲ ماہ بعد جمیل صاحب ریٹائر ہو کر ۱۰ لاکھ گھر لائے اور سارے کام بالائے طاق رکھ کر چاروں کا حج فارم گورنمنٹ پالیسی کے تحت بھر لیا۔

پندرہ دن بعد ان کو وزارتِ حج مذہبی امور کی طرف سے میسیج آیا تھا کہ "حج قرعہ اندازی میں ناکام قرار پائے ہیں۔" ڈھائی لاکھ حج کے بھرنے کے بعد قرعہ اندازی میں ان کا نام نہیں نکلا۔ پرائیویٹ کمپنی کے حج پیکیج ان کی پہنچ سے دور تھے۔ اگلے سال دوبارہ اپلائی کرنے کا سوچ کے وہ رقم امانت کی طرح اکاؤنٹ میں رکھ کر بیٹھ رہے۔

اگلے سال حکومت بدل چکی تھی، اب کی بار حج ڈھائی لاکھ کے بجائے ساڑھے چار لاکھ کا ہو گیا تھا۔ ان کے پاس تین ٹکٹ کی بھی قیمت پوری نہیں تھی کہ روبی کو چھوڑ کے فقط انزل کو لے جاتے۔

رقم کی زیادتی کے سبب وہ دل مسوس کے رہ گئے۔ اگلے سال کرونا کی وجہ سے چند لوگوں نے حج ادا کیا اور اس سے اگلے سال فقط چند ہزار نے۔

مستقل دو سال حج عمرہ پر پابندی رہی اور اسی دوران جمیل صاحب اچانک ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

عدّت سے فارغ ہوتے ہی روشن نے انزل کی اپنی بھانجی سے شادی کر لی۔ اس سال قوی امکان تھا کہ حج ہوگا اور پاکستان کو بھی مخصوص کوٹہ ملے گا۔

روشن روز دعا کرتی کہ اللہ ایک بار کعبہ دکھا دے، ایک بار مدینہ پہنچا دے۔ پورا رمضان دعائیں مانگتے گزرا تھا، بالآخر عید کے بعد گورنمنٹ نے حج پالیسی کا اعلان کر ہی دیا۔

۲۰۲۲ء کی گورنمنٹ حج پالیسی سن کر عوام چکرا گئے تھے۔ حج خرچ ۷ لاکھ سے ۱۰ لاکھ تک ہونے کا امکان۔ ان کے پاس اس بار صرف ایک ٹکٹ جتنے پیسے تھے۔

"امی میں آپ کے ساتھ نیچے شفٹ ہو جاؤں گا۔ اوپر کا پورشن ۱۰ لاکھ فکس پر چڑھا کر حج کا فارم بھروں گا، لیکن اس سال جائیں گے ضرور۔" انزل نے اعتماد سے کہا۔ روشن آنسو بہانے لگی۔

"ایک یہی فرض تھا انزل جو وقت پر ادا نہ کیا۔"

"میں کرواؤں گا آپ کو، اللہ کروائے گا، اللہ بلائے گا۔" انزل ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر کہہ رہا تھا، ان کے دل سے انزل کے لیے دعائیں نکلنے لگیں۔

انزل نے آناً فاناً اپنا پورشن خالی کیا اور فکس پر چڑھا کر حج فارم بھرنے کے لیے بنک کا رخ کیا۔

"آپ کی والدہ کا نہیں ہو سکتا، ۶۵ سال والے بزرگوں پر اس سال پابندی ہے۔" بینک ملازم نے حج پالیسی اُس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ انزل کے لیے اگلا سانس لینا مشکل ہو گیا۔

ایک ہفتے کی بھاگ دوڑ کوششیں سب بے کار گئیں اور انزل نے روشن کی اجازت سے روشن کی رقم سے اپنی بیوی سیمی کا حج کا فارم بھر لیا اور پھر قرعہ اندازی میں بھی نام آ گیا۔ اور فٹافٹ حج کی تیاری کرنے لگے۔

"امی!" روبی آہستہ آہستہ روشن کو پکار رہی تھی۔

"کیا ہوا امی۔" روبی نے ماں کو خاموشی سے دیوار سے ٹیک لگائے آنکھیں موند دیکھ کر تعجب سے پوچھا۔

"افسوس۔" روشن کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"کیسا افسوس امی؟ کیا ہوا۔" روبی پریشان ہی ہو گئی۔

"آج رقیہ آپا شدّت سے یاد آ رہی ہیں۔"

"کون رقیہ آپا؟" روبی نے یادداشت پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔

"تم نہیں جانتی بھلی مانس! بھلے وقتوں میں کہہ گئی تھیں حج تو جوانی کا ہے۔ کاش! اُس وقت اس کی بات پر دھیان دیا ہوتا تو ایک خوب صورت سفر جو بہترین ہم سفر کے ساتھ کرتی، اس کی یادوں میں کھوئی ہوئی ہوتی، پچھتاووں میں نہیں۔" روشن آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی اور روبی ہونق بنی انھیں سن رہی تھی۔

مسیحا کی ناانصافی

قسط نمبر 5

مائک سلیم

"جی کہو بیٹا۔" انھوں نے انتہائی مشفقانہ انداز میں کہا۔
"موم ہم یہاں کب سے رہ رہے ہیں۔" شافع بولا۔
"بیٹا! میری شادی ہوئی تب سے ہم یہاں رہ رہے ہیں۔" وہ بولی۔
"اچھا موم! آپ مجھے اپنی کہانی سنائیں ناں، ہم یہاں تک کیسے پہنچے؟" شافع نے بچوں کی طرح کہانی سنانے کی فرمائش کی تھی۔
"کیوں بیٹا! آپ کو کیا اپنی کہانی سننے کا شوق ہو رہا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔
"ویسے ہی موم پلیز۔" اس نے گویا التجا کی تھی۔
"جب میری شادی ہوئی تو تمہارے بابا اس گھر میں لائے، تب آپ کے دادا ابو بھی حیات تھے۔ تمہارے بابا مہینے میں ایک دو دن گھر آتے تھے، تب انھوں نے ایئر فورس جوائن کیا ہوا تھا۔ دو سال کا عرصہ ہو چکا تھا دادا کے انتقال کے بعد تمہارے تایا اور تائی اسلام آباد شفٹ ہو گئے۔ اس کے بعد تمہاری پیدائش ہوئی، جب تم دو سال کے تھے تو شاویز ہوا۔ سرکاری ہسپتال میں علاج نہیں کروایا ہم نے ایک پرائیوٹ ہاسپٹل میں علاج کیا۔ ڈاکٹرز نے آپریشن کا کہا تھا، انھوں نے کہا کہ آپریشن نہ کرنے کی صورت میں ماں اور بچوں کو نقصان ہو سکتا ہے اور یہ بھی بتایا تھا کہ جڑواں بچے ہیں، پھر آپریشن سے شاویز ہوا اور اس کی جڑواں بہن نہ بچ سکی۔" انھوں نے آہ بھرتے ہوئے کہا جبکہ شافع کے دل میں خوف کی ایک عجیب سی لہر اٹھی، وہ بولا:
"موم! آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ شاویز کے ساتھ بہن تھی۔" وہ ایک دم ہی سوال کر بیٹھا۔
"کیا ہو گیا ہے بیٹا! کیسی باتیں کر رہے ہو؟ بہن تھی تمہاری، ڈاکٹرز نے خود مجھے بتایا تھا۔
"تو بابا کہاں تھے؟" شافع نے سوال کیا۔
"شروع میں تو تمہارے بابا ساتھ تھے، پھر اچانک انھیں گھر بلا لیا گیا، وہ شاویز کی پیدائش کے تیسرے دن آئے تھے۔" انھوں نے تفصیل بتائی۔
"اچھا تو آپ کے پاس کون تھا اور میں کہاں تھا؟" شافع اب بھی سراپا سوال تھا۔
"میرے پاس بھابھی تھیں اور آپ بھابھی کے گھر میں تھے۔" وہ بولی۔
"کون بھابھی۔" اس نے ایک اور سوال کر ڈالا۔
"اسد کی ماما بیٹا اور کون۔" انھوں نے اسے بتایا۔
"اچھا موم! آپ بتا سکتی ہیں کہ وہ ہسپتال کہاں ہے، اچھا پہلے یہ بتائیں مامی کب آئی تھیں آپ کے پاس۔" اس نے سوالات ختم نہیں کیے۔
"بیٹا! جب شاویز ہوا تو میں بے ہوش تھی، ہوش میں آئی تو انھوں نے کہا کہ کسی قریبی کا فون نمبر دے دیں، تاکہ کوئی آسکے۔ میں نے بھابھی کو فون کیا، وہ خود اسد کے ساتھ تھیں۔ اسد اس وقت ایک ماہ کا تھا، پھر بھی وہ اسد کو گھر چھوڑ کر آئیں اور ڈاکٹرز نے بتایا کہ شاویز بچ گیا اور بیٹی۔۔۔"
"اور ہسپتال کہاں ہے؟ ہم یہیں رہا کرتے تھے تو وہ ہسپتال بھی تو یہیں کہیں ہو گا ناں!" شافع اطمینان سے کہہ رہا تھا۔
"ہاں بیٹا! حیدر آباد کراس کرتے ہی ہے۔ اب تو کسی اور کے زیرِ نگرانی میں ہے، اس وقت جو منیجر تھے انھوں نے تین ماہ بعد ہی فروخت کر دیا تھا، خیر اب تو کافی عرصہ بیت گیا، میں کبھی وہاں نہیں گئی ہوں۔" انھوں نے سوچنے کے انداز میں کہا۔
"موم! کیا آپ کے پاس وہ رپورٹس ہیں جو شاویز کی پیدائش پر دی گئی تھیں۔" اس نے کہا۔

"جی بیٹا! میرے پاس ساری رپورٹس پڑی ہیں۔" انھوں نے جواب دیا۔
"اچھا کیا آپ وہ رپورٹس دے سکتی ہیں، پلیز منع مت کیجیے گا۔" شافع نے انھیں کہا۔
"مگر بیٹا کیوں؟ کیا کرنا ہے آپ کو۔" وہ حیرت سے بولی۔
"موم! میں آپ کو سب بتا دوں گا آپ پلیز۔" اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا تو فاطمہ بیگم بولیں: "Ok بیٹا میں نکال کر رکھ دوں گی۔"

◆◆◆

شام سے پہلے باذل دوبارہ ہسپتال گیا اپنے بابا کے پاس جا کر حال دریافت کیا، پھر بولا: "بابا آپ میری ہیلپ کر سکتے ہیں۔"
"ہاں، کہو بیٹا! کیوں نہیں، میں ضرور کروں گا۔" انھوں نے پیار سے کہا۔
"بابا! وہ۔۔۔" وہ خاموش ہو گیا، جیسے بولنا چاہتا ہو مگر۔۔۔۔
"کیا بات ہے بیٹا! کیوں خاموش ہو گئے بولو ناں!" انھوں نے پھر کہا۔
"بابا آپ مجھے بتائیے کہ میں کہاں، کیسے اور کب پیدا ہوا؟"
"یہ کیسا سوال ہے بیٹا دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا۔" وہ حیرت سے بولے۔
"بس بابا میں یہ جاننا چاہتا ہوں۔" وہ حتمی انداز سے بولا۔
"سوری بیٹا!" یہ کہہ کر انھوں نے آنکھیں موند لیں۔

یہ پہلا مرحلہ نہیں تھا کہ باذل حیران ہوتا، اس سے پیشتر بھی وہ بابا کے ایسے رویّوں کو محسوس کر چکا تھا، گویا کہ انھیں اس پر شدید غصہ آیا ہو۔
"اچھا بابا! مجھے کچھ کام ہے رات کو آؤں گا۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔
ڈاکٹر عثمان نے کوئی جواب نہیں دیا، کیوں کہ وہ اس وقت پرانی باتیں کھولنے کے موڈ میں بالکل نہیں تھے۔

◆◆◆

شافع تمام رپورٹس لے کر ہسپتال پہنچا اور Reception میں دکھا کر ڈاکٹر سے ملاقات کروانے کو کہا تو وہ انتظار کرنے کا کہہ کر اندر چلی گئی، تھوڑی دیر بعد آئی اور اسے اندر جانے کا کہا۔ شافع اندر گیا تو تین ڈاکٹرز بیٹھے تھے، دو لیڈیز اور ایک جینٹس۔
وہ ڈاکٹر بولا: دیکھیے یہ رپورٹس ۲۰ سال پرانی ہیں۔
"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں ڈاکٹر صاحب!" شافع نے سختی سے جواب دیا۔
"دیکھیے میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ بتانا ہمارے لیے بہت مشکل ہے کہ آپ کا بھائی تھا یا بہن اور۔۔۔" ابھی اس نے بات مکمل بھی نہیں کی تھی کہ شافع بیچ میں بول پڑا۔ "رپورٹس دیکھ کر تو بتا سکتے ہیں، میں یہاں کس لیے آیا ہوں ریکارڈ چیک کریں، وہ ڈاکٹر کون تھی، اب ہے یا نہیں کچھ تو بتا سکتے ہیں ناں یا پھر بالکل ہی۔۔۔ آپ ناواقف ہیں اس بات سے۔" شافع کو غصہ آنے لگا تھا۔
"لائیے مجھے دیں ڈاکٹر صاحب! میں دیکھتی ہوں۔" ان میں ایک ادھیڑ عمر ڈاکٹر خاتون نے ان سے رپورٹس لے کر شافع کو بیٹھنے کا کہا جو اب تک کھڑا تھا۔
"دیکھو بیٹا! یہ ڈاکٹر حلیمہ کا کیس ہے، وہ ابھی بھی یہیں پر جاب کرتی ہیں، آپ ان سے مل لیں، شاید وہ آپ کی کچھ مدد کر سکیں۔" انھوں نے پیار سے اسے سمجھایا۔

بقیہ ص 24 پر

شکوہ نہ کر

شمائلہ نورین قمر

[پہلا حصہ]

حمیرا نے ایک تھکی ہوئی نگاہ بکھرے پھیلے گھر پہ ڈالی اور پھر بے فکری سے ہنستی ہوئی اپنی اولاد اور شوہر کو دیکھا۔ کچھ دیر ستانے کے خیال سے ان کے بیچ آ بیٹھی۔
آج بیٹی کے سسرال والے نا صرف بات پکی بلکہ ساتھ ہی تاریخ بھی طے کر گئے تھے، چند لوگ ہی آئے تھے۔ کچھ حمیرا کے میکے اور سسرال سے تھے۔
ہونے والی ساس نے شبرین کا منہ میٹھا کر کے سلامی دی۔ کھانے کا انتظام گھر پر ہی کیا گیا۔
سارے معاملات آج ہی نمٹا لیے کہ ان لوگوں کا بار بار اسلام آباد سے آنا مشکل تھا۔
رشتہ حمیرا کی خالہ زاد بہن کے توسط سے آیا تھا پر جب بات آگے بڑھی تو حبیب صاحب کی عماد کے والد صاحب سے دفتری جان پہچان بھی نکل آئی۔ اب انھوں نے بس برات لے کر آنا تھا۔
سب کے جانے کے بعد سسرال سے آئے، تحائف پر تبصرہ چل رہا تھا۔ حبیب صاحب نے حسبِ معمول چائے کی فرمائش کر دی، حمیرا سر ہلا کر اٹھنے لگی، فوراً مصطفیٰ اٹھ کھڑا ہوا۔
"امی آپ چھوڑیں، میں زبردست چائے بنا کے پلاتا ہوں سب کو۔"
"چائے کے ساتھ تھوڑے کباب اور گاجر کا حلوہ بھی گرم کر کے لانا بھائی! امی اتنا گھور کر دیکھ رہی تھی کہ مجھ سے تو کھانا ہی نہیں کھایا گیا۔" شبرین نے ماں کو دیکھتے ہوئے شکوہ کیا۔
"تو تم اپنے سسرال والوں سے ایسے باتیں کر رہی تھی، گویا بچھڑی ہوئی سہیلیاں ہوں۔ نئے معاملات ہیں بیٹا! تھوڑا احتیاط کرنی چاہیے اور جاؤ تم خود گرم کرو! جو بھی کھانا ہے، بڑا بھائی کام کرے اور بہن بیٹھی رہے۔"
حمیرا نے ساتھ ہی حبیب صاحب کی طرف تائیدی نظروں سے دیکھا، ہمیشہ کی طرح وہ کچھ نہیں بولے۔
"امی! شبرین سے جان چھوٹنے والی ہے۔ آج تو کچھ زیادہ ہی مزے کی چائے بناؤں گا۔ اصل میں جب بندے کا دل خوش ہو تو ہر کام اچھا ہوتا ہے۔" باورچی خانے سے مصطفیٰ کی آواز آئی۔
چائے کے بعد تھوڑی ہمت ہوئی تو حمیرا نے فوراً گھر سمیٹنا شروع کر دیا۔
شبرین نے منع بھی کیا "امی صبح سے کام کر رہے ہیں، اب تو سو جائیں ایسی بھی کیا جلدی ہے؟ صبح آرام سے کر لیں گے۔"
"تم کو سونا ہے تو تم جا کر سو جاؤ مجھے ایسے نیند نہیں آئے گی۔"
"تمہاری اماں نہیں مانیں گی، چھوڑو!" حبیب صاحب نے کمرے کی جانب قدم بڑھائے۔
حمیرا نے خفگی بھری نگاہ سے شوہر کی پشت پہ دیکھا۔

پچیس سال پہلے:
کسی کے زور زور سے بولنے کی آواز سے حمیرا کی آنکھ کھلی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ شادی کو دو ماہ ہی ہوئے تھے۔ سسرال کے طور طریقے ابھی سمجھ نہیں آئے تھے۔ جلدی سے منہ پر پانی کا چھینٹا مارا، دوپٹا سلیقے سے اوڑھا اور باہر آ کر منہ پھلائے بیٹھی ساس کو سلام کیا۔
انھوں نے انتہائی رکھائی سے جواب دیا۔ رات کو نند کی، سسرال سمیت دعوت تھی۔ دن بھر کام کرنے کے بعد نوعمر اور ناتجربہ کار حمیرا کی ہمت جلد جواب دے گئی، بس کھانا سمیٹ کر فریج میں رکھا اور بستر پہ گر گئی۔
"سارا باورچی خانہ گندا چھوڑ کر سو گئیں۔ امی کو صبح ناشتا بنانے کے لیے برتن ڈھونڈنے مشکل ہو گئے۔" سامنے بیٹھے ناشتا کرتے ہوئے حبیب نے غصے سے کہا۔
"ہاں بھئی! کچھ بولیں گے تو برے بنیں گے۔ اپنا اور تمہارے ابو کا ناشتا بھی میں خود بناتی ہوں۔ آج تو حد ہی ہو گئی، بہو صاحبہ نے رات کھانا کیا بنا لیا تو اس کے بدلے میں سارا گندا گھر بوڑھی ساس پہ چھوڑ کر دن چڑھے سوتی رہیں۔ ہمارے تو کبھی چھوٹے بچے رات بھر جگاتے، پھر بھی فجر کی نماز کے بعد گرما گرم ناشتے کی ٹرے لیے ساس سسر کے کمرے کے باہر کھڑے ہوتے کہ انھیں آواز تک لگانے کی ضرورت نہ پڑے۔ اچھے گھر کی تربیت ہوتی تو یہ بات لڑکی کو سکھائی جاتی کہ سسرال میں رہنے کے طریقے کیا ہونے چاہئیں۔"
بات میکے پہ آئی تو اس نے تڑپ کر حبیب کی طرف دیکھا، جو ناشتے میں مشغول تھے۔ دعوت کے لیے کی گئی ساری محنت پل بھر میں بھلا دی گئی۔ اتنی محنت سے اتنا مزے دار کھانا بنانے پر جو دل ہی دل میں تعریف کی منتظر تھی۔ اس حملے کے لیے تیار نہ تھی۔
مجرم کی طرح سر جھکا کر ایک طرف بیٹھ گئی، کچھ سمجھ نہیں آیا کہ کیا بولے۔
"حمیرا! دیکھو جیسے امی کہتی ہیں، ویسے ہی گھر سنبھالو، آیندہ خیال رکھنا۔ اچھا امی! اللہ حافظ!" اور وہ اپنے آنسو پیتی کٹہرے میں کھڑی رہ گئی۔
"باجی! بس یہی کپڑے دھونے والے ہیں؟" رضیہ کی آواز سے حمیرا نے پل بھر میں ماضی سے حال کا سفر کیا۔
"ہاں بس اتنے ہی ہیں، شبرین کا کمرہ صاف کر لیا، کل بھی صفائی نہیں ہوئی تھی۔"
"نہیں باجی، وہ کہہ رہی ہیں خود کریں گی۔"
وہ تیز تیز چلتی ہوئی شبرین کے کمرے میں آئی۔
"یہ کیا طریقہ ہے شبرین؟؟ کل بھی اپنا کمرہ نہ خود صاف کیا نہ رضیہ کو کرنے دیا۔ میں نے تم کو کہا تھا کہ باورچی خانے میں کام کیا کرو۔ ذمے داری کے ساتھ گھر داری سیکھو، پر تمہارا یہ کھلنڈرا پن ختم ہوتا نہیں۔"
"امی ہو جائے گا نا سب! رضیہ میری چیزیں ادھر ادھر کر دیتی ہے، میں آج کر لوں گی صفائی اور کھانا بنانا کون سی کوئی بڑی بات ہے، آسان کھانے بھی کھائے جا سکتے ہیں۔"
"بیٹا! ہر طرح کے مشکل کھانے بنانا سیکھو۔ تمہاری یہ جھٹ پٹ نوڈلز والی عادت کب تک چلے گی؟ سسرال والے چاہیں گے کہ بہو اچھے سے، مزے مزے کے کھانے بنائے، گھر ذمے داری سے سنبھالے۔" حمیرا کی تشویش کو پھر زبان ملی۔
"اور اس کے علاوہ ہر بات کا دوبدو جواب دیتی ہو۔ ایسی زبان سسرال میں نہیں چلتی۔ کل بھی تم نے عالیہ کو کتنی باتیں سنا دیں۔ لگتا ہے وہ ناراض ہو کر گئی ہے۔"
"امی آپ نے عالیہ چچی کی باتیں سنی تھیں؟ وہ اپنی پڑھی لکھی، نوکری کرنے والی بہو کے بارے میں کیسی کیسی باتیں کر رہی تھی؟ اگر ان کو خدمت گزار بہو چاہیے تھی تو کسی گھر

گھر ستن لڑکی سے شادی کرتیں، کیوں امید کرتی ہیں کہ وہ دوہری ذمہ داری اٹھائے؟ ان کی خدمت بھی کرے، نوکری بھی کرے، تمام ذمے داریاں بھی اٹھائے۔"

"تمہاری اسی لمبی زبان کی وجہ سے میں پریشان ہوں۔ ہر بات کا جواب موجود ہوتا ہے، سسرال جا کر پتا نہیں کیا ہوگا؟"

"سسرال نہیں، لگتا ہے آپ مجھے کسی جنگی مشن پر بھیج رہی ہیں۔ یہ نہیں ہوگا، وہ نہیں ہوگا، ایسا لگتا ہے دشمن کی فوج، گھات لگائے، حملے کے لیے تیار بیٹھی ہے۔" شبرین نے اپنی کتابیں سمیٹتے ہوئے کہا۔

"سسرال میں سب میری ہی تربیت پر انگلی اٹھائیں گے، سن لو گی ماں باپ کے بارے میں برا بھلا؟" حمیرا کو ماضی کے کسی بچھو نے ڈنک مارا۔

"واو! اچھی بیٹی ٹریننگ سیشن جاری ہے۔" مصطفیٰ نے کمرے میں جھانکا۔

"امی اپنے اچھے بیٹے کو ناشتا تو بنا دیں۔ آدھے گھنٹے میں کلاس شروع ہونے والی ہے۔"

"اٹھو! ناشتا بناؤ۔ تمہارے ابو تو صبح ہی چلے گئے تھے۔"

"مجھے وہ انگریزوں والا دو سیب کے قتلے آدھا توس نہیں کھانا۔ پراٹھا، آملیٹ اور چائے چاہیے۔"

"ارے بڑے بھائی! آج تو تم کو ایسا ناشتا بنا کر دوں گی کہ یاد کرو گے۔" شبرین نے شرارت سے کہا۔

"تم آٹا گوندھو گے اور چائے بناؤ گے، آملیٹ اور پراٹھے میرے ذمے۔ ٹھیک ہے؟" شبرین نے مزے سے کام بانٹے۔

"اب ناشتا بھی بھائی سے بنواؤ گی؟" حمیرا نے کرسی پر بیٹھ کر سر پکڑ لیا۔

"بھائی بلاوجہ میرے سر پر بیٹھ کے ناشتے کا انتظار کرتا رہے، اس سے تو اچھا ہے ناں مدد کر دے، کام جلدی ہو جائے گا اور آگے کام آئے گا، بھائی کی بھی تو شادی ہو گی۔" دونوں بھائی بہن باہر نکل گئے۔

حمیرا بیٹھے بیٹھے ایک بار پھر ماضی کی بھول بھلیوں میں کھو گئی۔

حمیرا کی لاکھ کوششوں کے باوجود بھی کسی نہ کسی معاملے میں غلطی ہو جاتی تھی، جو ناقابلِ معافی ہوتی۔ اس کا اعتماد مکمل طور پر تباہ ہو چکا تھا۔ وہ ہر کام میں ضرورت سے زیادہ ڈرتی اور کسی نہ کسی حد تک اپنا کام خراب کر لیتی۔ وہ جتنی بھی کوشش کر لیتی، مگر لگتا تھا وہ ایک اچھی بیوی اور بہو کبھی بھی نہیں بن سکے گی۔

جب ڈانٹ ڈپٹ اور طعنوں سے دل بھر جاتا تو اس کی نادانیوں کو نمک مرچ لگا کر گھر میں سب کے سامنے بتایا جاتا، سب خوب ہنستے طرح طرح کے تبصرے کرتے گو کہ ایک تفریح ہاتھ آ گئی تھی۔ تکلیف اس وقت بڑھ جاتی جب حبیب بھی ان میں شامل ہو جاتے۔

صرف گیارہ مہینوں کے فرق سے پیدا ہونے والے مصطفیٰ اور شبرین کے بعد، حبیب کے انداز میں تھوڑی نرمی آئی تھی اور خاطر خواہ اس کا خیال بھی رکھتے تھے، یہاں تک کہ بچوں کو سنبھالنے میں بھی مدد کرتے تھے۔

حبیب کو معلوم تھا کہ اس سے زیادتی ہوتی ہے اور وہ اپنے لیے آواز نہیں اٹھا سکتی۔ انھوں نے کبھی بھی اس کے حق میں زبان نہیں کھولی۔ حبیب کی ماں کی شخصیت تھوڑی ضدی تھی، جب کہ حمیرا کو آسانی سے دبایا جا سکتا تھا۔ انھوں نے گھر کے معاملات میں مداخلت کو ضروری نہیں سمجھا اور حمیرا کو گھر والوں کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا۔ (جاری ہے)

بقیہ
مسیحا کی ناانصافی

"وہ کہاں ملیں گی مجھے۔" شافع بولا۔

"آج منگل ہے، وہ بدھ، جمعرات اور ہفتہ کو یہاں ہوتی ہیں، آپ کسی بھی دن آ سکتے ہیں۔"

"Ok بہت بہت شکریہ میں کل آؤں گا۔" یہ کہہ کر شافع وہاں سے نکلا۔

◆◆◆

باذل ہسپتال سے سیدھا گھر گیا اور اس نے اپنے بابا کا پورا کمرا اُلٹ پلٹ کر دیکھا شاید کہ کچھ مل جائے، مگر ناسود!!! وہ نیچے آیا اور ماسی نوراں سے بولا: "کیا آپ جانتی ہیں کہ ماما کے بعد ان کی ساری چیزیں کہاں گئیں؟"

ماسی نوراں ان کی خاندانی ملازمہ تھی جو اس کی ماں کے ساتھ اس کے میکے سے آئی تھی۔

"بیٹا! انیسہ بی بی کے بعد ان کا سارا سامان صاحب نے اپنے کمرے میں چھوڑا، مگر فالتو چیزیں کاغذات اور ہسپتال کی رپورٹس وغیرہ اوپر اسٹور روم میں ڈلوا دیے۔"

"اچھا! آپ اسٹور روم کی چابی دے دیں۔" اس نے اپنا ہاتھ آگے کرتے ہوئے کہا۔

"نا بیٹا نا! تو نے کیا کرنا ہے، وہاں بہت گرد ہے جو چاہیے مجھے بول لا دوں گی۔" انھوں نے انکار کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے جتنا کہا ہے اتنا ہی کریں پلیز۔" انھوں نے اسے غصے میں دیکھا تو ماسی نے خاموشی سے چابی پکڑا دی۔

اسٹور روم میں جا کر اس نے ساری چیزیں الٹ پلٹ کر دیکھیں اسے کچھ بھی کام کی چیز نہ ملی، گند ہونے کی وجہ سے اسے چھینکیں آنا شروع ہو گئیں، اسے شروع ہی سے Dust alergy تھی۔ نوراں اسٹور کے دروازے پر کھڑی اسے دیکھ رہی تھی، مگر ڈر کی وجہ سے کچھ کہہ نہ پائی۔ بالآخر اس کے ہاتھ ایک پرانا ہینڈ کیری لگا جس میں ہسپتال کے کاغذات وغیرہ تھے، اس نے انھیں نکال کر جھاڑا اور پڑھنے لگا ان پر "نساء ہاسپیٹل اینڈ ہیلتھ کیئر سینٹر" لکھا ہوا تھا۔ اس نے رپورٹس پڑھنی شروع کیں۔ ڈاکٹر حلیمہ کا نام پڑھ کر خوش ہوا اور بڑبڑایا: "اب تو حقیقت جان کر ہی رہوں گا۔"

رات ہونے والی تھی، اس لیے وہ کاغذات کو کالج بیگ میں ڈال کر ڈائریکٹ نکل گیا۔

◆◆◆

شافع گھر آیا تو لان میں شاویز بیٹھا میگزین پڑھنے میں مشغول تھا۔ شافع آہستگی سے آواز پیدا کیے بغیر اندر آیا شاویز کو خبر تک نہ ہوئی کہ شافع گھر آ گیا ہے۔ شافع سیدھا کمرے میں گیا، فریش ہو کر اور بیڈ پر لیٹ کر اگلے دن کے لیے لائحہ عمل تیار کرنے لگا۔ شاویز نے میگزین سائیڈ پر رکھا اور شافع کو میسج کیا کہ مجھے بائیک کی ضرورت ہے، اگر فارغ ہو تو گھر آ جاؤ، تاکہ میں اپنا کام کر سکوں۔

میسج کے بپ کے بجتے ہی شافع نے فون اٹھایا، شاویز کا نام دیکھ کر مسکرایا اور میسج اوپن کیا، میسج پڑھ کر اسے بائیک کا خیال آیا، جسے آج وہ مکینک کے پاس چھوڑ آیا تھا۔ اس نے اسے ریپلائی دیا کہ "یار بائیک کے گردے فیل ہو گئے ہیں، ہاضمہ بھی خراب ہے اور بلڈ پریشر ہائی ہے، اسے ہسپتال میں ایڈمٹ کروایا ہے، اس کا علاج چل رہا ہے۔"

شاویز میسج پڑھ کر مسکرایا جو اپنے کمرے کی کھڑکی پر کھڑا نیچے لان میں بیٹھے شاویز کو دیکھ رہا تھا، اسے مسکراتا دیکھ کر اس کا دل خوش ہوا اور واپس آ کر لیٹ گیا۔

◆◆◆

باذل گھر سے ہسپتال پہنچا اور سیدھا کمرے میں چلا آیا۔ اسے دیکھ کر ڈاکٹر عثمان بولے: "کہاں گئے تھے بیٹا! کہاں سے آ رہے ہو؟" (جاری ہے)

جُنید امِین

جُنید امِین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

میرا اسماعیل

ام مصعب

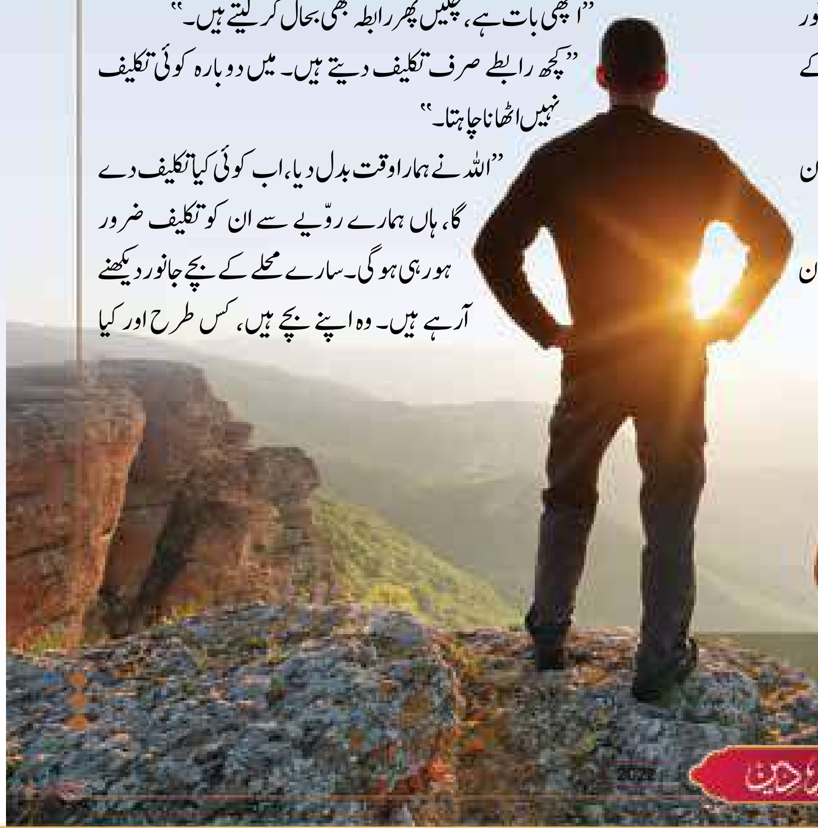

”ہر انسان کا کوئی نہ کوئی اسماعیل ہوتا ہے، جس سے وہ محبت کرتا ہے اور اللہ کو اسی کی قربانی مطلوب ہوتی ہے۔“ مفتاح نے یہ جملہ پڑھا تو ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گئی۔

”اسماعیل؟؟ میرا اسماعیل کون ہے؟“ اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔ اگلے ہی لمحے ایک احساس، ایک جذبہ ننھا سا سر اٹھا کر تن کے اُس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”میں ہوں تمہارا اسماعیل۔“

”میں تمہیں قربان کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔“ مفتاح نے ایک لحظہ بھی سوچنے میں ضایع کیے بغیر جھٹ سے کہا۔

”اور اللہ کو اسماعیل کی ہی قربانی مطلوب ہے۔“ اُس نے مسکرا کر کہا۔ مفتاح سر تھام کر رہ گئی۔

ایک بڑی گاڑی میں چار بڑے بیل لاد کر لائے گئے تھے، محلے کے بچوں کا ہجوم تھا جو شور مچاتے ہوئے گاڑی کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔

”امی امی! لگتا ہے ہمارے جانور آئے ہیں۔“ شور سن کر اسریٰ باہر نکلی تو فوراً گھر کے پاس گاڑی رکتے دیکھ کر اندر کی طرف منہ کر کے چلائی۔

مفتاح نے بھی دروازے کی اوٹ سے ایک نظر دیکھے۔ خوب صورت اور بھاری بیل تھے۔ کافی دیر کے شور شرابے کے بعد ان کے دو بیل اتار کر گاڑی آگے بڑھ گئی۔ بچوں کے شور شرابے سے جانور بھی گھبرا گئے تھے اور اب گردن جھکائے کھڑے تھے۔

مفتح نے ایک نظر صحن میں اٹھائی گئی دیوار اور دیوار کے پار مکینوں کو دیکھا، وہاں یوں خاموشی تھی جیسے گھر میں کوئی نہیں رہتا۔

”سارے محلے کے بچے بیل دیکھنے آئے۔ اس گھر کے بچے کس طرح پکڑ کر روکے گئے ہوں گے، اچھی طرح پتا ہے۔“ مفتح نے سوچا اور اندر چلی گئی۔

دوسرے دن اتوار تھا۔ آج پھر فیصل فجر پڑھ کر ہی منڈی چلے گئے تھے۔ ظہر کے بعد جب لوٹے تو چار بکرے اور دو موٹے تازے دنبے لے آئے تھے۔ گھر کے باہر ٹینٹ لگا کر جانور باندھ دیے گئے تھے۔ سفید بیل کو سرخ ہار سنگھار کروایا تھا اور سیاہ بیل کو سلور رنگ کے زیور سے سجایا تھا۔

اب جب دنبے اور بکرے آئے تو تینوں بیٹے بھاگ کر ان کا بھی سجاوٹ کا سامان لے آئے۔

رات تک ٹینٹ میں خوب صورت لائٹنگ بھی کر دی گئی تھی۔ بچوں بڑوں کا ہجوم ان جانوروں کو دیکھنے کے لیے رات گئے تک لگا رہتا تھا۔ دوپہر کو قنات لگا کر جانوروں کو آرام کرواتے اور رات گئے تک بچے اور منچلے ان کو دیکھنے آتے رہتے۔

دو دن بعد ایک خوب صورت اونٹ نے آکر ٹینٹ کو رونق بخشی تھی۔ فیصل نے پچھلے سال بھی اسی طرح قربانی کی تھی۔ اس سال مفتاح کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا، لیکن اس بار اُس کا دل پریشان تھا۔ وہ جب جب صحن میں آتی ساتھ والے گھر کی خاموشی اسے الجھن میں مبتلا کرتی۔

وہ ایک خاموش نظر اس طرف ڈالتی اور دل عجیب انداز سے دھڑکتا اور ذہن کچھ اور ہی سوچنے لگتا۔ وہ دل و دماغ کی اس مخالفت پر حیران و پریشان تھی۔

فجر سے کچھ پہلے فیصل باہر سے سب نمٹا کر دو لڑکے ملازم جانوروں کے پاس بٹھا کر اب آرام کی غرض سے اندر آئے تھے۔ مفتاح اپنے بستر پر نہیں تھی۔ ایک نظر نماز کے کمرے میں دیکھنے گئے تو مفتاح کی سسکیوں نے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔

وہیں سے پلٹ کر وضو کیا اور تہجد کے لیے کھڑے ہو گئے۔

”جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔“ فیصل نے سوچا۔ مفتاح نے کچن کا رخ کیا اور سحری بنانے لگی۔

”فیصل ساتھ والے گھر کی خاموشی مجھے کھٹکتی ہے۔ میرا دل پریشان کرتی ہے۔ میں پانچ دن سے بے چین ہوں۔ تہجد، سحری، فجر ذکر اذکار اور نمازِ اشراق کے بعد فیصل بستر پر لیٹے تو مفتاح نے آہستگی سے کہا۔

”فکر مت کرو مفتاح، اللہ ان کو بھی خوش رکھے، اچھی بات ہم سے ہو گی نہیں اور برائی میں کرنا نہیں چاہتا۔“ فیصل نے دوٹوک کہا اور آنکھیں موند لیں۔

”فیصل میں نے ان کو معاف کر دیا، آپ بھی کر دیں۔“

”جب اللہ نے میرے دن بدل دیے تھے نا! میں نے اسی دن معاف کر دیا تھا۔“

”اچھی بات ہے، چلیں پھر رابطہ بھی بحال کر لیتے ہیں۔“

”کچھ رابطے صرف تکلیف دیتے ہیں۔ میں دوبارہ کوئی تکلیف نہیں اٹھانا چاہتا۔“

”اللہ نے ہمارا وقت بدل دیا، اب کوئی کیا تکلیف دے گا، ہاں ہمارے روّیے سے ان کو تکلیف ضرور ہو رہی ہو گی۔ سارے محلے کے بچے جانور دیکھنے آرہے ہیں۔ وہ اپنے بچے ہیں، کس طرح اور کیا سوچ کر اندر بیٹھے ہوں گے۔“ مفتاح کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

”میرے بچوں نے بھی بہت کچھ دیکھا ہے اور جھیلا ہے، مجھے سب یاد ہے۔“ ماضی قریب کے زخم ابھی تازہ ہی تھے۔

”وہ تکلیف اب وہ بچے نہ جھیلیں، وہ بھی تو آپ کا خون ہی ہیں۔“

”کیا چاہتی ہو؟“ فیصل نے اُکتا کر کہا۔

”صلہ رحمی۔“ مفتاح کے جواب پر فیصل گہرا سانس لے کر رہ گئے۔

دروازہ زور و شور سے بجا تھا۔ چھت پر اندر کی طرف کھڑے ہو کر نیچے آرام فرماتے جانوروں کو بنٹی چپکے چپکے دیکھ رہا تھا۔ اب جو دروازہ پیٹا گیا تو ذرا باہر کی طرف ہو کر دیکھا۔

”فیصل چاچا“ وہ چھت پر سے چلاتا ہوا دوڑتا ہوا نیچے آیا تھا۔

”امی امی، فیصل چاچا آئے ہیں۔“ دروازہ منٹو نے کھولا تھا۔ دوڑتا ہوا اماں کو بتانے آیا۔ ماں کے لیے تو خود کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

”بول دیتے ناں ابو نہیں ہے۔“ فیصل نے اندر داخل ہوتے ہوئے ان کا تُرش لہجہ سنا۔

”فیصل چاچا، فیصل چاچا! ہمارے ابو بھی بکرا لینے گئے ہیں۔“ بنٹی نے خوشی سے بتایا۔ فیصل نے اس کے لہجے میں جو محسوس کیا تھا وہ اسے تکلیف میں مبتلا کر رہا تھا۔

”ارے واہ، اپنے جانور آگئے ہیں، تم لوگ آئے نہیں؟“ فیصل نے بنٹی کو محبت سے اپنے ساتھ لگا لیا۔ بھابھی نے فوراً کمرے کی راہ لے لی۔

”بھابھی۔۔۔ بھابھی!“ فیصل نے پیچھے سے پکارا وہ بغیر جواب دیے اندر چلی گئیں۔

”چاچا آپ بیٹھیں ناں۔“ بڑی بیٹی افزا ہاتھ ملتے ہوئے شرمندگی سے کہہ رہی تھی۔

”بیٹا! تم آجانا شام میں، تمہاری چاچی تمہیں یاد کر رہی ہیں۔“ فیصل نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا اور بنٹی اور منٹو کو لے کر باہر نکل گئے۔

فرقان بھائی ایک کم زور سا بکرا لے آئے تھے۔ اپنے بچوں کو باہر فیصل کے جانوروں کے پاس دیکھا تو دور سے ہی آنکھیں دکھانے لگے۔

”کتنا سمجھایا تھا بے غیرت، دو ٹکے کا کر کے رکھ دیا تم نے مجھے۔“ فرقان بھائی آہستگی سے بنٹی اور منٹو کو ڈانٹ رہے تھے۔ فیصل نے اٹھ کر بھائی کے ہاتھ سے بکرے کی رسی لے لی۔

”چھوٹے ایک جانور اور آگیا اس کی بھی جگہ بنا۔“ فیصل نے ملازم لڑکے کو آواز دی اور جیب سے پیسے نکال کر بنٹی کو پکڑا دیے۔

”وہ کونے والی دکان سے اس کے گلے کا ہار اور پاؤں کی پازیب لے آؤ۔“ فرقان بھائی ہونق بنے فیصل کو دیکھ رہے تھے۔ وہ ہاتھ پکڑ کر بڑے بھائی کو بیٹھک تک لے آئے۔

”فرقان بھائی! آج افطاری میری طرف ہے۔ میں گھر گیا تھا۔ بھابھی سے بات نہیں ہوئی افزا اور بھابھی کو بھیج دینا۔“ فرقان بھائی کے لیے نظر اٹھانا مشکل ہو گیا تھا۔

”بس۔۔۔ خوش۔“ سحری میں فیصل نے مفتاح کو غور سے دیکھتے ہوئے آہستگی سے پوچھا، وہ مسکرانے لگی۔

”میری قربانی ابھی باقی ہے۔ آج پوری رات میں نے اللہ سے حوصلہ مانگا ہے۔ اپنا اسماعیل قربان کرنے کا۔“

”اسماعیل“ فیصل نے تعجب سے مفتاح کو دیکھا۔

”ہاں، جس سے محبت ہو جس کو قربان کرنا مشکل ہو، دراصل وہی قربان کرنے کا درس ہر سال عیدالاضحیٰ دیتی ہے۔ جانور تو سب اپنی اپنی مالی حیثیت کے مطابق قربان کرتے ہیں، اصل قربانی تو یہاں سے ہے۔“ مفتاح نے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”تم بھابھی سے ملنے جاؤ گی؟“

”منانے جاؤں گی۔“ مفتاح نے مسکرا کر کہا۔

”ہاتھ پکڑ کر گھر سے اُسی نے نکالا تھا۔ کاروبار سے الگ بھی اُسی عورت نے کروایا تھا، صحن میں دیوار بھی اُسی کی مرضی سے اٹھی تھی۔ کچن کو تالا لگا کر وہی سیر سپاٹے کو جاتی تھیں اور ہمارے بچے بھوک سے بلکتے تھے۔“ فیصل کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

”کچھ انا، خودداری، عزتِ نفس انسان کو خود میں رکھنی چاہیے۔ ان کے شوہر اور بچے آجائیں گے بلکہ آگئے یہی بہت ہے۔“

”یہی جذبے تو میرے اسماعیل ہیں۔ اس سال انہی کو قربان کرنا ہے۔“ مفتاح نے دل میں سوچا، فیصل سے کہا کچھ نہیں۔

”اللہ اکبر۔۔۔“ فرقان بھائی نے زور سے پڑھ کر موٹے تازے بیل کی گردن پر چھری پھیری تھی۔ دونوں بھائی جانوروں کے پاس اکٹھے کھڑے تھے۔

گوشت بانٹنے اور گھر کے لیے نکالنے پر بھابھی بیگم بیٹھی تھیں اور ملازم لڑکوں سے گوشت کے شاپر بھروا رہی تھیں۔ دور قریب کے سارے رشتہ داروں کو یاد کر رہی تھیں۔

”پکانے کا نکال لو مفتاح۔“ پلٹ کر انھوں نے مصروف انداز میں کہا۔

”آج کچن سے چھٹی ہے بھابھی۔“ مفتاح نے دور سے جواب دیا۔

”کیوں بھلا۔۔۔ میں پکا لوں گی، اس میں کیا ہے۔“ شاپر بناتے بناتے اُسی مصروف انداز میں کہا۔

”دیگ پکوالی ہے بھابھی فیصل نے۔“ مفتاح نے کہا۔

”یہ اچھا کیا فیصل نے۔“

”جی“ مفتاح ان کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

”اللہ تیرا شکر ہے۔ آج پھر بھائی، بھائی کا بازو بنا کھڑا ہے۔ قطع رحمی میں نفرت، بغض، حسد، کینہ اور نہ جانے کیا کیا پروان چڑھتا ہے اور صلہ رحمی میں محبت پھلتی پھولتی ہے۔ رزق اور عمر میں برکت ہوتی ہے تو پھر کیوں ناں جانوروں کے ساتھ ہم اپنی انا، ضد اور نفرت کو بھی قربان کر دیں۔“ مفتاح متشکر انداز میں سوچ رہی تھی۔

”اپنی انا کچل کر ان کے گھر تک گئی، معاف کر کے گلے لگا لیا، ہاتھ پکڑ کر ساتھ لائی عزت دے کر ذمہ داریوں پر بٹھا دیا۔ اس کے بدلے میں بہت کچھ پا لیا۔ اپنوں کو محروم کر کے غیروں میں سو اونٹ بھی کاٹ کر بانٹ دیتے تو شاید اتنا ثواب نہ ملتا جتنا فقط اپنی انا کی قربانی پر ملا ہو گا۔“ مفتاح آج پُر سکون تھی۔ فیصل باہر ٹینٹ میں بیٹھے چائے کی چسکیاں بھر رہے تھے اور فرقان بھائی قصائیوں کے سر پر کھڑے تھے۔

دور سے مفتاح اور فیصل کی نظر ملی، دونوں مسکرا دیے۔

میرا سائبان

ام نسیبہ

اسٹیج پر میرا نام پکارا جا رہا تھا۔ میں نے اعتماد سے اسٹیج کی جانب قدم اٹھایا۔ میری پشت کی جانب سے تالیاں بجاتے ہاتھوں میں وہ ہاتھ بھی شامل تھے جو راتوں کو مالکِ حقیقی کے سامنے میری کام یابی و کامرانی کے لیے اُٹھتے تھے۔ میں نے پلٹ کر اُن کی چمکتی آنکھوں میں کچھ ٹٹولنا چاہا۔ روشن آنکھوں میں جھانکا تو ادراک ہوا جیسے کوئی مسافر بالآخر تھکا دینے والے سفر کے بعد منزل پر پہنچ ہی گیا ہو۔ میں بے اختیار ان کی جانب مُڑی اور ان کے قدموں میں بیٹھتی چلی گئی۔

❖

ننھا سا دل ماحول کے تناؤ کو محسوس تو کر رہا تھا، مگر کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔ کانوں میں پڑتی آوازیں یہ پتا تو دے رہی تھیں کہ آج کا دن ہمارے گھرانے کے لیے اچھا نہیں تھا، مگر دماغ پریشانی کا سِرا تھامنے سے قاصر تھا۔ میرے پیارے بابا اور امی مجرموں کی طرح کسی سے بھی نظریں نہیں ملا پا رہے تھے، گویا ان سے کوئی بڑا جرم سرزد ہو گیا ہو، مگر میں تو بہت خوش تھی، ایک گول مٹول اور گل گوتھنی سی گڑیا جو میرے گھر آئی تھی۔ میں گلاب جیسی رنگت والی اس بچی کو دیکھ کر خوشی سے ہواؤں میں اُڑ رہی تھی۔

”امی۔۔!! یہ ہمارے ساتھ رہے گی نا“

میں نے گڑیا کے نرم ملائم گال کو چھوتے ہوئے پوچھا تھا۔

”نہیں۔۔! میں نے ساتھ والی رشیدہ سے بات کر لی ہے، اس کے جاننے والوں میں ایک بے اولاد جوڑا ہے۔ وہ اس بچی کو لینے کے لیے تیار ہیں۔ میرا بیٹا آخر اور کتنے بوجھ سہے گا۔“ امی سے پہلے دادی بول اُٹھیں۔

”مم۔۔ مگر۔۔“ امی کی آواز گلے میں ہی کہیں پھنس کر رہ گئی تھی۔

”اماں۔۔ ایسا کسی صورت ممکن نہیں۔ اللہ کا بہت شکر اور کرم ہے کہ اس نے ہمیں اپنی رحمتوں سے نوازا ہے۔ میں زندہ ہوں ابھی اپنی بچیوں کے لیے۔ آیندہ اس طرح کی بات کوئی اس گھر میں نہ کرے۔“

پہلی بار بابا کو دادی کے سامنے قدرے بلند آواز میں کہتے سنا تھا۔ مگر اس وقت اماں نے آنکھوں سے بہتے اشکوں کو قدرے تیزی سے صاف کیا تھا اور محبت سے ننھی گڑیا کو چوم لیا تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہم تینوں بہنوں کو بہت سی باتیں سمجھ آنے لگی تھیں۔ کم عمر میں ہی قریبی رشتوں کے ذریعے پامال ہوتے جذبات و احساسات نے ہمیں وقت سے پہلے ہی سمجھ دار بنا دیا تھا۔ کہیں سے تحائف آئے ہوئے ہوں یا گھر میں کچھ خاص پکا ہو سب سے زیادہ حصہ ”بیٹوں والی ماؤں“ اور ان کے بیٹوں کو ہی ملتا۔ ہم تینوں نے جیسے بچپن سے ہی اپنا دل مارنا سیکھ لیا تھا۔ امی بابا ایسے رویوں پر دل مسوس کر رہ جاتے، مگر اپنی طرف سے جس قدر ہو سکتا اپنی بیٹیوں پر محبت نچھاور کرتے۔ میں اکثر یہ سوچ کر شکر ادا کرتی تھی کہ اللہ نے اس ماحول میں ہمیں اتنی پیاری سوچ رکھنے اور محبتوں والے والدین دیے تھے۔ یہ بات بھی کافی لوگوں کو کھلتی تھی کہ احمد حسن اپنی بیٹیوں کو سر پر چڑھا رہے ہیں، مگر بیٹیوں کے معاملے میں وہ کبھی کسی کو خاطر میں نہیں لائے۔

”اس کو گھر بٹھا دے احمد! میٹرک کر لیا، اب رشتہ دیکھ کر شادی کر دے لڑکی کی۔“

دادی کو حیرانی ہوئی کہ بڑی بیٹی عائشہ کے مدرسہ جانے کے اصرار پر احمد حسن کیوں کر راضی ہو گیا۔

”اماں شادی بھی ان شاء اللہ ہو جائے گی۔ بچی کو اگر دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہے تو میں اسے روک کر کیسے گناہ گار ہو سکتا ہوں۔“

بابا نے سلیقے سے بات طے کر دی تھی۔ یوں باجی خاندان کی پہلی لڑکی تھی جو میٹرک کے بعد مدرسے جانے لگیں۔ پورے خاندان کو جیسے نیا موضوع مل گیا تھا، مگر اصل آزمائش تو بعد میں شروع ہوئی۔

”یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ ہمارے خاندان میں ایسا نہیں ہوا اب تک۔ تم خاندانی روایتوں کو توڑو گے احمد حسن۔“

یہ میرے تایا تھے، جو میرے کالج جانے کا سن کر مشتعل ہوئے تھے۔

”مگر بھائی جان! میری فاکہہ ذہین ہے اور پڑھنا بھی چاہتی ہے۔ میں اس کی کام یابیوں کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنوں گا۔“

مجھے فخر ہونے لگا کہ میرا سائبان میرے آگے ڈٹ کے کھڑا تھا۔ میں نے اسی وقت تہیہ کیا کہ بابا کے مان کو اپنی جان سے زیادہ سنبھال کر رکھنا ہے۔

قصہ مختصر کہ بابا کے حامی بھرنے پر جیسے سب نے بائیکاٹ ہی کر دیا ہمارا۔ جیسے میں کالج نہیں بلکہ کسی گناہ کی مرتکب ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ ہمیں آبائی گھر چھوڑنے پڑا۔ سب کو خدشہ تھا کہ کالج جانے سے میں بگڑ ہی جاؤں گی، ان کے بچے بھی ہاتھوں سے نکل جائیں گے۔ مجھے لگا کہ وقت آ گیا ہے کہ اپنے خوابوں کی پوٹلی کو سمندر برد کر دوں، مگر بابا ہر طرح کے طوفان کے سامنے سیسہ پلائی دیوار ثابت ہوئے۔

”بابا۔۔ ہم گھر نہیں چھوڑ سکتے۔ مجھے نہیں پڑھنا آگے۔ آپ میری خاطر پریشان نہ ہوں۔۔“ آنسوؤں کو پی کر میں نے ہمت سے کہا تھا۔

بابا فقط مسکرائے۔۔ وہی مسکراہٹ جوان کا خاصہ تھی۔۔

انھوں نے میری خاطر گھر چھوڑا اور گھر والوں نے انھیں۔ کہاں آسان تھا آبائی گھر چھوڑنا، جہاں برس ہا برس گزرے تھے۔ سامان باندھتے ہوئے بار بار انگلیوں کے پوروں سے آنکھیں صاف کرتے بابا کو دیکھ کر دل کٹ رہا تھا۔ اس وقت کچھ اندازہ نہ تھا کہ آگے کیا ہوگا، مقصد پورا ہوگا بھی یا نہیں۔ کہنے کو سات سال کا عرصہ تھا، مگر سات صدیوں جیسا طویل۔۔ بابا نے دن رات محنت کی، پارٹ ٹائم ملازمتیں کر کے میری فیسیں بھریں۔ انٹری ٹیسٹ دلوائے، میرے ساتھ داخلوں کے لیے جگہ جگہ کی خاک چھانی، لائنوں میں لگے، پلاٹ بیچا، اپنی جمع پونجی میری پڑھائی پر نچھاور کر دی۔ میری کام یابیوں پر ان کے چہرے کی چمک دیدنی ہوتی، گویا انھیں کام یابی ملی ہو۔

اب برسوں بیت جانے کے بعد تایا کہتے ہیں کہ احمد حسن کی تین بیٹیاں نہیں بیٹے ہیں بیٹے۔۔۔ بابا یہ سن کر مسکراتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”نہیں یہ تو میری بیٹیاں ہیں جو میرا مان اور میرا غرور ہیں۔۔۔“ اور آج میں ڈاکٹر فاکہہ احمد ہارٹ اسپیشلسٹ پاکستان کی بہترین دل کی ڈاکٹر کے طور پر یہاں مدعو ہوں۔

❖

میں بے اختیار بابا کی گود میں سر رکھ کر رونے لگی۔ بابا نے محبت سے میرا ماتھا چوما۔ وہ عظیم انسان میرے سامنے تھا جو بیٹی کی خاطر دنیا سے لڑ گیا تھا۔

”شکریہ بابا۔۔“ میں صرف اتنا ہی کہہ سکی اور بابا کا ہاتھ تھام کر اسٹیج کی جانب بڑھ گئی۔

تسلیم شیخ

پسند کی قربانی

"مماماکدھرہیں آپ؟"فیصل اپنی مما کو آواز دیتے ہوئے کمرے سے باہر نکلا۔
"جی بیٹا! میری یلو شرٹ نہیں مل رہی۔ کہاں ہے؟"
"فیضان پہن کر گیا ہے۔ اُس کے اسکول میں آج مینگو ڈے تھا"۔ مما جواب دے کر کچن میں جانے لگیں تو فیصل کی آواز سے رُک گئیں۔
"میری فیورٹ شرٹ آپ نے اُسے دے دی"۔ فیصل غصے سے بولا۔
"وہ آپ کا چھوٹا بھائی ہے۔ اگر اُس نے پہن لی تو کیا ہوا؟"۔ مما نے جواب دیا۔
"آپ جانتی ہیں۔ وہ میری نئی شرٹ خراب کردے گا"۔ فیصل رونی صورت بناتے ہوئے کہا۔ وہ ایسا ہی تھا۔۔ جو چیز اُسے پسند ہوتی۔ وہ اُسے بہت سنبھال کر رکھتا۔ وہ بہت صاف ستھرا رہنے بہت خیال کرنے والا، سمجھدار بچہ تھا، مگر اپنی پسندیدہ چیزوں کے معاملے میں وہ کوئی سمجھوتا نہیں کرتا تھا۔ اور اگر کوئی اُس کی پسند کی چیز کو ہاتھ لگادے۔ تو وہ شرافت ایک طرف رکھ کر چیختا چلاتا تھا۔ اُس کی یہ عادت مما کو نہیں پسند تھی۔
"نہیں وہ کچھ کرتا۔ حوصلہ رکھو"۔ نازیہ نے اُسے تسلی دی۔ جب کہ وہ خود جانتی تھیں کہ فیضان اُس شرٹ کی حالت بہت بُری کرے گا۔ اور اُس نے شرٹ کی حالت خراب کردی تھی۔
"لے آؤ بچو، بکرے کو اندر"۔ بابر صاحب، فیضان اور فیصل جوش و خروش سے گھر کے اندر داخل ہوئے۔ عید میں دس دن باقی تھے۔ اور وہ لوگ پہلے ہی بکرا لے آئے تھے۔ تاکہ اس کی خوب خدمت کرسکیں۔
بکرے کو دیکھ نازیہ بیگم نے "ماشاء اللہ"۔ کہا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ وہ لوگ بہت عرصے بعد قربانی کرنے لگے تھے۔۔ دونوں ہی آبدیدہ تھے۔
فیصل اور فیضان دونوں بکرے کو چارا کھلا رہے تھے۔
"بیگم بہت بھوک لگی ہے۔ کھانا لگادو"۔ بابر صاحب نے بیگم کو کھانے کا کہا۔ وہ لوگ پچھلے چار پانچ گھنٹے سے بکرا منڈی تھے۔ شام ہوگئی تھی۔ اور تینوں کو بھوک لگی تھی۔ بچے تو بکرے کی طرف متوجہ تھے۔ اس لیے اُنھوں نے کھانے کا نہیں کہا۔
مگر جیسے ہی کھانے کا نام سنا دونوں بھائی دسترخوان پر ہاتھ منھ دھو کر بیٹھ گئے۔
"فیصل مجھے آپ سے ایک سوال پوچھنا ہے"۔
"جی بابا پوچھیں"۔ فیصل نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ مبادا کہیں بابا کوئی ایسا سوال نہ کرلیں۔ جو اُسے نہ آتا ہو۔
"بیٹا ہم بکرا کیوں لائے ہیں؟" بابر صاحب نے مُسکرا کر سوال کیا۔
"قربانی کرنے کے لیے"۔ فیضان نے جھٹ سے جواب دیا۔ تو بابر صاحب نے اُسے گھور کر دیکھا۔ اور کہا کہ اب تم چپ رہنا۔ فیصل ہی سب باتوں کا جواب دے گا۔
"ہاں بتاؤ ہم قربانی کیوں کرتے ہیں؟"۔ فیضان کو چپ کروانے کے بعد وہ دوبارہ فیصل سے مخاطب ہوئے۔
"قربانی کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اس لیے ہم قربانی کرتے ہیں"۔ فیصل نے جواب دیا۔
"اور کس لیے دیا؟ وجہ جانتے ہیں کیا آپ؟" بابر صاحب جب بہت زیادہ سنجیدہ ہوتے تھے تب وہ بچوں کو آپ کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔
"قربانی کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سُنت ہے۔ اُنھوں نے خواب دیکھا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کررہے ہیں۔ تو حضرت ابرہیم علیہ السلام نے اپنا خواب اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سنایا۔ تو اُنھوں نے کہا اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو آپ مجھے ذبح کردیں۔ حضرت ابرہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ایک میدان میں لے گئے۔ اور جب ذبح کرنے لگے۔ تو اللہ کے حکم سے ایک دنبہ آگیا۔ اور بیٹا بچ گیا۔ اور دنبہ قربان ہوگیا۔ اُن کی اِس سنت کو تازہ رکھنے کے لیے ہم مسلمان قربانی کرتے ہیں"۔ فیصل نے بنا اٹکے تفصیل سے بتایا۔
"شاباش. تو آپ بتایئے کیا حضرت ابرہیم علیہ السلام کو اپنا بیٹا پسند نہیں تھا۔ جو وہ اُس کو قربان کرنے چلے گئے؟"۔ بابر صاحب کے اس سوال کی وجہ سے دونوں بچوں نے باپ کی طرف حیرت سے دیکھا۔ کیوں کہ یہ بات تو کوئی بھی جان سکتا کہ باپ کو اپنی اولاد کس قدر عزیز ہے۔
"بابا کوئی اپنے بیٹے کو کیوں قربان کرے گا۔ اور باپ تو بیٹے کو بے حد پسند کرتا ہے۔ جیسے اب بکرا قربان ہوگا۔ مجھے بے حد پسند آیا ہے۔ قربان کرنے کو دل نہیں کرتا۔ مگر کرنا تو ہے نا۔ اللہ تب ہی تو ہم سے خوش ہوگا"۔ فیصل جذباتی لہجے میں بولا۔
"یہی بات بیٹا اپنی پسندیدہ چیز کو قربان کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے جو چیز آپ کو سب سے پسند ہو، اُس چیز کو اللہ کی راہ میں دے دو"۔ بابر صاحب نے عقیدت بھرے لہجے میں سمجھایا۔
"جی بالکل بابا۔ ہم قربانی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہی کررہے ہیں۔ اپنا بکرا دے رہے"۔ فیصل کی آنکھیں بکرے کو دیکھتے ہوئے نم ہوگئی تھیں۔ ابھی تو بکرے نے دس دن اور رہنا تھا پھر اُس کا کیا حال ہونا تھا۔

آسیہ فاطمہ

ہمارا بکرا

ابو آئے بکرا لائے
سب کے دلوں کو جو بھائے
بُھورا کالا ہے یہ بکرا
ہم سب کا پیارا بکرا
چارا شوق سے یہ نہ کھائے
پھل سبزی خُوش ہو کر کھائے
باسی نہ یہ کھانا کھائے
دیکھ کے اس کو مُنہ یہ پُھلائے
جب بھی اس کو چھوڑو اکیلا
مَیں مَیں کرکے شور مچائے
جب خُوش ہوتا ہے یہ بکرا
سارے گھر میں اُچھلے کُودے
جو کرتا ہے اس کو تنگ
بکرا اس کو ٹکر لگائے

مانو

ام مصطفیٰ

"اباجان اس بار بکرا خرید کر لائیں گے۔"فرمان بولا۔
"جی نہیں، اس بار روئی کے گالوں والا دنبہ آئے گا۔" چھوٹا ایان تصور میں ہی دنبے کو جھپی دیتے ہوئے بولا۔
"ارے تم دونوں کیوں لڑ رہے ہو دیکھو! میں سب سے بڑا ہوں، میں ہی جانور کا خیال رکھتا ہوں، اس لیے اباجان کو اس بار میں بچھیا لانے کا کہہ چکا ہوں۔" تیرہ سالہ ضامن کالر جھاڑ کر خود کو بڑا محسوس کرواتے ہوئے بولا۔
"تم تینوں پھر جانور کے بارے میں بحث کرنے لگے، جلدی سے ٹیوشن کے بیگ اٹھاؤ۔" پڑھائی پر ذرا توجہ نہیں رہی، ہر وقت جانور کے متعلق بحث چلتی رہتی ہے۔
امی جان نے تینوں کی باتیں سن کر ہانک لگائی جسے سن کر تینوں نے اپنے اپنے بستے سنبھالے اور منہ بسورتے ہوئے ٹیوشن پر روانہ ہوئے۔
ضمیر صاحب کا گھرانا ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔
ضمیر صاحب ہر سال کسی نہ کسی جانور کی قربانی ضرور کرتے تھے، گئے وقتوں میں جمع پونجی بچھیا لانے کی بھی اجازت دے دیتی تھی، لیکن اب مہنگائی نے گویا سب کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ پچھلے چند سالوں سے بکرا ہی لانے کی گنجائش بن پاتی تھی، بلکہ کرونا دور میں تو حصہ ہی ڈلوانا پڑا تھا، لیکن اس بار ان کے تینوں بچے قربانی کے جانور کے متعلق بے حد پرجوش تھے۔ بڑے بیٹے کو بچھیا جب کہ چھوٹوں کو بکرا اور دنبہ لانے کا شوق چڑھا ہوا تھا، جب کہ اباجان کی جیب ان سب چیزوں کی متحمل نہیں تھی۔ یہ باتیں بچے کہاں سمجھ سکتے تھے، انھیں تو بس عید اور جانور کی خوشی عزیز ہوتی ہے۔ ضمیر صاحب بھی بچوں کو ایسی کسی فکر میں مبتلا کرکے پریشان نہیں کرنا چاہ رہے تھے۔ انھوں نے دو ماہ سے دفتر میں بات کرکے اوور ٹائم بھی لگانا شروع کردیا تھا۔ ضمیر صاحب کی اہلیہ شوہر کی اس مشقت سے رنجیدہ تھیں، لیکن پھر بچوں کے خواب اور باتیں سن کر وہ بھی خاموش ہوجاتی تھیں۔
واقعی! والدین بچوں کی خوشی کے لیے کتنی قربانیاں دیتے ہیں۔
"کیسے ہو نصیر میاں؟ کیا کررہے ہو آج کل؟"
ہفتے کے روز ضمیر صاحب کی ملاقات اپنے محلے کے نوجوان نصیر سے ہوئی۔ نصیر ہرفن مولا نوجوان تھا، جس کام میں ہاتھ ڈالتا کامیاب لوٹتا۔ اس کا کوئی خاص پیشہ نہیں تھا۔ سیزن کے اعتبار سے کام کرتا تھا۔ جیسے رمضان المبارک میں کپڑوں کا کام کرلیا اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر منڈی سے اچھے جانور مناسب دام میں خرید کر لانا اور شہری علاقوں میں مناسب منافع سے بیچنے کا کاروبار اپنایا ہوا تھا۔ ضمیر صاحب کی نصیر سے اچھی علیک سلیک تھی۔ ساتھ ہی وہ نصیر پر پرانی واقف کاری کی بنا پر اعتماد بھی کرتے تھے۔
"ضمیر بھائی کچھ کمزور اور پریشان دکھائی دے رہے ہیں؟" خیریت تو ہے؟ نصیر نے دیکھتے ہی پوچھا
"ہاں! کچھ کام کا بوجھ بڑھ گیا ہے، بلکہ یوں کہو بڑھالیا۔ اسی وجہ سے یہ کمزوری نمایاں ہو رہی ہے۔" ضمیر صاحب پھیکی مسکراہٹ سے بولے۔
"خیریت! مجھے بتایئے ایسی کیا پریشانی ہوگئی؟ نصیر نے اپنائیت سے کہا۔ ہاں بھئی! تمہیں بتانا تو بنتا ہے، چلو اس چائے کے ڈھابے پر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" پھر ضمیر صاحب نے نصیر کو اپنی تمام کیفیت گوش گزار کردی۔ "اچھاااا۔۔۔ تو یہ بات ہے، آپ یہ بتایئے کہ آپ کے پاس رقم کتنی موجود ہے؟" "پچاس ہزار!!!" ضمیر صاحب نے مختصر جواب دیا۔
"ٹھیک ہے، اس رقم میں بچھیا مل جائے گی۔۔۔"
بکرے اور دنبے کے لیے چھوٹوں کو بہلا لیجیے۔
ان شاء اللہ! اگلے سال کرلیجیے گا۔ نصیر نے بات سمیٹتے ہوئے کہا۔
"لیکن نصیر پچاس ہزار میں بچھیا ملے گی کہاں سے؟" ضمیر صاحب اب تک مطمئن نہ ہوسکے تھے۔
"مل جائے گی ضمیر بھائی! یہ آپ کا چھوٹا بھائی لادے گا۔"
"ٹھیک ہے۔" ضمیر صاحب تذبذب کی کیفیت میں بولے۔
اگلے دن علی الصباح دروازے پر دستک ہوئی ضمیر صاحب باہر نکلے تو دیکھا نصیر ایک کمزور سی بچھیا لیے کھڑا ہے۔۔۔
"یہ لیجیے ضمیر بھائی! آپ کی بچھیا، سنبھالیے اور رقم ادا کردیجیے۔" نصیر نے باقاعدہ بیوپاری انداز سے کہا۔
"مگر نصیر یہ تو بہت کمزور جانور ہے۔"
اس رقم میں موٹا اور اونچا جانور تو نہیں مل سکتا ناں! ضمیر بھائی۔۔۔
ضمیر صاحب بھی سر جھکا کر مثبت ہوتے گئے۔
گھر کے اندرونی حصے سے رقم لاکر نصیر کو تھمائی اور کمزور بچھیا کی رسی پکڑ کر صحن میں لا کھڑا کیا۔۔۔
چوں کہ آج اتوار کا دن تھا، ضامن، ایان اور فرمان کچھ دیر سے جاگے، جب ناشتے کے بعد تینوں صحن میں آئے تو ایک کمزور سی بچھیا کو کھڑا دیکھ کر تینوں ہی ہق دق رہ گئے، سب سے زیادہ دھچکا ضامن کو لگا، اسے تو ایک خوب صورت اور ہٹے کٹے جانور کی خواہش تھی یہاں تو اس کے برعکس ہوگیا۔۔
تینوں منہ لٹکائے اپنا کام کرنے بیٹھ گئے، کوئی بھی بچھیا کے قریب نہ گیا۔ ضمیر صاحب بچھیا کو باندھ کر اس کا چارا وغیرہ گھر دے کر صبح ہی کسی کام سے نکل گئے تھے، ویسے بھی وہ بچوں کے تاثرات دیکھنے سے ہچکچا رہے تھے۔
امی جان تینوں کی کیفیت نوٹ کرچکی تھیں، اب انھیں ہی کچھ کرنا تھا، جانور تو اب خریدا جاچکا تھا، ویسے اس میں کوئی عیب تو تھا نہیں، سوائے کچھ کمزوری کے اور اب اسی جانور کو قربان کرنا تھا، مگر بددلی کے بجائے خوش دلی سے۔۔۔ اس کے لیے امی جان کو ہی کوئی حکمتِ عملی اپنانی تھی۔۔۔ "بچو! ہوم ورک ہوگیا ہے تو آجاؤ صحن میں مانو کو نہلانا ہے۔۔۔"
"مانو!!!!!" تینوں بیک وقت بولے۔
"ہاں بھئی! ہماری پیاری نازک سی بچھیا کا نام مانو ہے۔" امی جان چہک کر بولیں۔
لیکن امی جان! مجھے یہ بچھیا بالکل پسند نہیں۔۔۔ میں اسے نہلاؤں گا بھی نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی اور کام کروں گا۔۔۔ ضامن غصے سے منہ پھلا کر بولا۔
"ٹھیک ہے! ایان، فرمان اور امی یہ کام کرلیں گے اور اللہ تعالیٰ بھی ہم ہی سے خوش ہوں گے اور ثواب بھی ہمیں ہی دیں گے۔" امی جان نے ایان اور فرمان کو پچکار کر کہا جس پر دونوں چھوٹے امی جان کے ساتھ صحن میں پہنچ گئے۔
مانو کو خوب مل مل کر نہلایا گیا، امی جان کے پاس پرانی مہندی پڑی تھی، اس سے بچھیا کے دائیں بائیں "مانو" لکھا گیا، پھر ایان اور فرمان نے مانو کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا اور صحن میں خوب گھمایا بھی، مانو بھی اتنے پیارے ننھے منے دوستوں کے ساتھ گھل مل گئی تھی۔۔۔
ضامن دور بیٹھا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اب دل تو اس کا بھی چاہ رہا تھا کہ ان کے ساتھ شریک ہو جائے، مگر چھوٹا جانور، دوستوں کا مذاق، یہ سارے خیال اسے روک رہے تھے مانو کو قبول کرنے سے۔۔۔ امی جان ضامن کو کن اکھیوں سے دیکھ اور پرکھ رہی تھیں۔ وہ اس کے دل کے غبار کو زبان سے ادا کروانا چاہتی تھیں، تاکہ اس کے ذہن کو صاف کرسکیں۔ "ضامن! مانو نہا کر کتنی صاف ستھری ہوگئی ہے نا؟" صبح والی اور اب والی مانو میں واضح فرق محسوس ہو رہا ہے نا؟
اور اب تو ایان اور فرمان نے اسے ایک دن میں ہی خوب کھلا پلادیا ہے، ایسا لگ رہا ہے دو تین دن میں ہماری "مانو" خوب فربہ ہوجائے گی۔"
امی جان ضامن کو مخاطب کرکے سوالوں کے ساتھ، اندازے بھی بتانے لگیں۔
"مگر امی جان! چھوٹا جانور دیکھ کر میرے دوست اور محلے والے مذاق بنائیں گے۔" ضامن امی جان کی باتیں سن کر سسک کر بولا۔

بے بے کے بچے

سائرہ شاہد

حارث کی امی نے بہت ساری بکریاں پال رکھی تھیں، ان میں سے ایک بکری کا رنگ دودھ جیسا سفید تھا۔ سفید بکری جب آواز نکالتی تو یوں لگتا جیسے وہ "مے مے" نہیں بلکہ "بے بے" کہہ رہی ہو۔ ایک دن آواز سن کر عروج کے دماغ میں ہلچل ہوئی اور پھر زبان میں شدید کھجلی ہوئی تو وہ بولی۔

"امی جی! مجھے لگتا ہے سفید بکری آپ کو بے بے کہتی ہے۔"

عروج کی بات سُن کر امی مسکرانے لگیں جب کہ حارث نے فوراً جواب دیا:

"ہاں، میری بہنا! مجھے بھی یہی لگتا ہے کہ جیسے تم ہو بالکل ویسے ہی ہماری سفید بکری ہے اور تم دونوں ہی ہم شکل بہنیں ہو۔"

یہ سُن کر عروج نے دانت پیسے، لیکن امی کی وجہ سے خاموش ہو گئی۔ اُس دن سے سفید بکری کا نام "بے بے" رکھ دیا گیا۔

بے بے کے تین بچے تھے، ایک بالکل سفید مے مے، دوسرا کالے رنگ کا مومو اور تیسرا سفید و کالا تھا، جس کا نام یویو رکھا گیا۔ تینوں بچے بہت شرارتی تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ اٹکھیلیاں کرتے رہتے تھے۔ ان تینوں کو چارے سے زیادہ پھلوں اور سبزیوں کے چھلکے بہت پسند تھے، لیکن یویو صرف آم کے چھلکوں پر جھپٹ پڑتا تھا، کیوں کہ اسے میٹھے میٹھے آم بہت پسند تھے۔

"بھائیو! مجھے لگتا ہے امی پریشان ہیں۔"

ایک دن وہ تینوں کھیل رہے تھے کہ یویو نے آہستہ سے مومو اور مے مے سے کہا۔ ان سب نے توجہ سے اس کی طرف دیکھا جو گھاس چرنے کے بجائے کسی سوچ میں گم تھی۔

"کیا ہوا امی؟"

مومو نے سوال کیا تو بے بے نے سر ہلایا اور ان تینوں کو اپنے پاس بٹھایا۔

"ہم جانور اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں حلال جانور بنایا۔ اس نے ہمیں پالنے والے انسانوں کو برکت کی خوش خبری دی۔"

بے بے نے ان سب کی طرف دیکھتے ہوئے بات شروع کی تو یویو نے کہا:

"ہاں امی! اللہ کا بہت شکر ہے کہ ہم بکرے ہیں، اس لیے تو ہمیں میٹھے میٹھے آموں کے چھلکے ملتے ہیں، ورنہ گدھوں اور کتوں کو یہ چیزیں کب ملتی ہیں؟"

یویو کی بات سُن کر جہاں اس کے دونوں بھائی ہنسے وہیں بے بے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے یویو کی کمر پر اپنا سر لگا کر اس کی کمر سہلائی اور بولی:

"ہم حلال جانوروں نے ایک نہ ایک دن ذبح ہونا ہے اور عیدالاضحیٰ پر بہت سارے جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ وہ قربانی کے جانور بہت خوش قسمت ہوتے ہیں جو اللہ کی راہ میں قربان ہوتے ہیں۔ تم تینوں بھی بڑے ہو گئے ہو اور تمہاری قربانی بھی دی جا سکتی ہے۔"

اپنی ماں کی بات سُن کر تینوں بچے سہم گئے، کیوں کہ ہر جان دار کو اپنی جان سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ وہ تینوں اپنی ماں سے لپٹ گئے اور اس نے بات روک دی، تاکہ وہ مزید خوف زدہ نہ ہوں۔

اگلے دن انھیں پانی اور چارے کے ساتھ آم کے چھلکے بھی ملے، لیکن یویو بالکل خاموش ہو چکا تھا۔

"کچھ کھا لو یویو! میں نے سنا ہے کہ آج حارث کے ابو تمہیں اور مومو کو بکرا منڈی لے جا کر بیچ دیں گے۔"

بے بے نے اپنے دل پر پتھر رکھتے ہوئے خبردار کیا، کیوں کہ وقت بہت کم تھا اور بچوں کو اصل بات سمجھانا باقی تھی۔

"تمہیں پتا ہے؟ اللہ نے جب اپنے پیارے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو قربان کر دیں، تب ان کے چھوٹے سے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بھی اللہ کے حکم کی تعمیل میں سر جھکا دیا اور قربان ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ اللہ کے حکم پر سر جھکانے والوں کے لیے بہت انعامات ہیں۔"

بے بے نے یویو کے قریب جا کر کہا تو وہ مسکرایا اور بولا:

"میں سمجھ گیا امی! مجھے اپنے اللہ کا حکم ماننا ہے اور اس کی رضا پر راضی رہنا ہے۔"

بے بے نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا:

"شاباش میرے پیارے یویو! تم اور تمہارے بھائی اللہ کی رضا میں راضی رہنا۔"

"قربانی کے جانوروں سے اللہ جی خوش ہوں گے ناں امی! اور جنت بھی دکھائیں گے۔ یویو تم جنت میں آم کے بہت سارے چھلکے کھا لینا۔"

مومو نے شوخی سے کہا تو مے مے نے اسے سینگ مارتے ہوئے کہا:

"ارے کم عقل بکرے! جنت میں آم کے چھلکے نہیں بلکہ پورے پورے آم ہوں گے، اس لیے یویو آم کھا کر چھلکے پھینک دے گا۔"

یویو نے دونوں بھائیوں کی بات سُنی تو ہنستے اور شرماتے ہوئے کہا:

"نہیں بھائیو! میں آم کے ساتھ ساتھ اس کے چھلکے بھی کھاؤں گا۔"

اس کی بات پر سب ہنسنے لگے اور بے بے مطمئن ہو گئی۔ اگلے دن یویو اور مومو کو بکرا منڈی لے جایا گیا اور ایک خریدار کے ہاتھوں فروخت کر دیا گیا۔ وہ دونوں نئے گھر میں آ کر سکون سے چارہ کھانے میں لگے تھے کہ ایک آواز آئی: "بکرے آ گئے؟"

ان دونوں نے آواز کی سمت دیکھا تو ایک گول مٹول سا بچہ کندھے پر بستہ لٹکائے منہ پھلائے سوال کر رہا تھا۔ مومو اور یویو نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور زور سے بولے "مَیں مَیں مَیں مَیں"

وہ بچہ خوشی سے چلایا اور ان کے قریب آ کر باتیں کرنے لگا۔

"لو بھئی مومو! کچھ دن اس نئے حارث کو برداشت کرتے ہیں، اس کے بعد جنت کے خواب دیکھیں گے۔"

یویو نے کان ہلاتے ہوئے کہا تو مومو نے بھی اپنے لمبے کان ہلائے اور چارہ کھانے میں مصروف ہو گیا۔

"تمہارا بھولو بہت پیارا ہے۔" بلال نے اپنے دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے ڈرتے ڈرتے فہد سے کہا۔

"اور تمہارا گولو بھی خوب صورت ہے۔" فہد کی نظریں بھی گھر کے دروازے پر ہی تھیں۔ گولو اور بھولو سفید رنگ کے موٹے تازے بکرے تھے اور گھاس چر رہے تھے۔

"یہ تم دونوں آپس میں باتیں کر رہے ہو، مگر نگاہیں تمہاری دروازے پہ ہیں۔ ایسا کیا آنے والا ہے دروازے سے باہر؟ کیا وہاں کوئی جن ہے؟ جو تم دونوں کو نظر آ رہا ہے اور مجھے نہیں؟ بتاؤ تو ماجرا کیا ہے؟" اپنے دروازے سے ٹیک لگائے خالہ چھک چھک نے بلال اور فہد سے کہا، بہت زیادہ اور تیز بولنے کی وجہ سے سب بچے انھیں خالہ چھک چھک کہا کرتے۔

"خالہ! ششش۔۔۔ آہستہ بولیں۔" بلال نے جلدی سے کہا۔

"آپ تو ہم دونوں کو پٹوائیں گی۔" فہد نے بھی لقمہ دیا۔

"لو بھلا! میں نے ایسا کیا کہہ دیا جو ایک مجھے چپ کروا رہا اور دوسرا پٹوانے کا الزام دے رہا ہے، بھلا میں کوئی دشمن ہوں، میں تو تم سب کی خالہ ہوں اور سبھی کا بھلا چاہتی ہوں، اپنے کام سے کام رکھتی ہوں۔ زیادہ بولتی بھی نہیں۔" خالہ چھک چھک نے تیز تیز بولتے جواب دیا۔

"دراصل ہمارے بڑوں کی آپس میں لڑائی ہے۔ وہ ہمیں ایک دوسرے سے بات نہیں کرنے دیتے۔" بلال جھٹ سے بولا۔

"اس لیے چپکے چپکے بات کر رہے تھے۔" فہد نے کہا۔

بلال اور فہد چچازاد تھے، دو منزلہ گھر میں اوپر نیچے رہتے تھے۔ ان کے والدین چند دن پہلے کسی گھریلو مسئلے پر لڑے تھے، جس کی وجہ سے بڑوں نے بچوں کا بھی ملنا جلنا بند کروا دیا تھا۔ بقر عید کے موقع پر دونوں کو اس لڑائی زدہ ماحول سے الجھن ہو رہی تھی۔

"اوہ! تو یہ مسئلہ ہے۔ میں ابھی جا کر ان کی خبر لیتی ہوں۔ ایسی بھی کیا لڑائیاں، جو بچوں کی خوشیاں ختم کر دیں۔ میں سب ٹھیک کر دوں گی۔ ورنہ میرا خالہ ہونا کس کام کا" خالہ آگے بڑھنے لگیں تو بلال نے ان کو بمشکل روکا۔

"ایسا مت کریں گھر والے مزید ناراض ہوں گے۔"

"آپ ہمیں ہمارے حال پہ چھوڑ دیں۔" فہد نے بھی ہاتھ جوڑے۔

"میرے بچو! میں تمہیں کیسے تمہارے حال پہ چھوڑ دوں۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہو گا۔" خالہ ناک پہ ٹکا چشمہ درست کرتے ہوئے بولیں۔

"چوری۔۔۔ وہ بھی اس محلے میں، بکرا تھا یا چوزہ جو یوں اچانک غائب ہو گیا۔ یقیناً یہ خورشید سو رہا ہو گا۔ تب ہی چور کی اتنی ہمت ہوئی کہ موٹا تازہ بکرا لے گیا۔" بکرے کی چوری کا سن کر خالہ اپنے مخصوص انداز میں بول ہی تھیں۔۔۔ اپنا نام سن کر چوکی دار خورشید کا رنگ ہی اڑ گیا۔

"نہیں خالہ! میں تو ساری رات گلی میں ہی تھا۔ جانے کون بھولو کو لے گیا۔" وہ بے چارا بھی صبح سے بکرے کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔

اشرف صاحب اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے کچھ سوچ رہے تھے۔

"ابو! تایا ابا پریشان ہو رہے ہیں۔" کھڑکی سے لگا بلال اپنے ابو کو بتا رہا تھا۔

"کھڑکی سے ہٹ جاؤ تو وہ نظر نہیں آئیں گے۔" اکمل صاحب سختی سے بولے۔

"ابو! فہد بھی رو رہا ہے۔"

"بلال!" اکمل صاحب غصے سے دیکھتے ہوئے بولے تو وہ خاموش ہو گیا۔

بلال کو پریشان دیکھ کر پل بھر کے لیے اکمل صاحب کے دل کو بھی کچھ ہوا، مگر وہ پھر سر جھٹک کر اخبار پڑھنے لگے۔

"اتنی پریشانی کی بات ہے۔ بکرا غائب ہو گیا۔ یہ اکمل کہاں ہے؟ بھائی اس قدر پریشان ہیں اور اس کو کچھ خبر ہی نہیں۔" خالہ چھک چھک نے کھڑکی سے نظر آتے بلال کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے پہ مایوسی کے آثار بھانپ کر وہ جلدی جلدی گھر کے دروازے کی جانب بڑھیں اور دروازہ بجانے لگیں۔

"ففففف! خالہ کو بھی چین نہیں ہے۔ ہر ایک کے مسئلے میں دخل اندازی۔" اکمل صاحب نے غصے سے کہا اور دروازہ کھول کے باہر آئے۔

"ارے اکمل! تیرا بھائی کتنا پریشان ہے۔ بے چارے کا موٹا تازہ بکرا کھو گیا ہے، کتنے کا لایا تھا؟ پچاس ہزار کا نا؟ بول ناں۔۔۔" خالہ نے پاس کھڑے فہد کی کمر پہ دھموکا جڑا۔

"جی جی خالہ۔۔۔ پچپن ہزار کا لائے تھے۔" فہد گڑبڑا کر رہ گیا۔

"چلو دونوں بھائی مل کر اب اس مسئلے کا حل نکالو۔" خالہ نے کہا تو اشرف اور اکمل صاحب نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ اشرف صاحب کی پریشان صورت دیکھ کر اکمل صاحب کا دل پگھلنے لگا اور بھائی سے کہنے لگے:

"پریشان نہ ہوں۔ ان شاء اللہ مل جائے گا بکرا" فہد اور بلال نے مسکرا کر خالہ کو دیکھا۔

"کھا! میرے بچے کھا۔ پیٹ بھر کے کھا۔ بس آواز مت نکالنا۔ اگر تیری آواز نکلی تو تیری اس خالہ کے لیے بڑا مسئلہ ہو جائے گا۔ تیری خاموشی میں سب کی بھلائی ہے۔ خاموش رہنا مجھ سے سیکھ لے۔" خالہ بھولو کو کل رات ہی خورشید کی نظروں سے بچا کر اپنے گھر لے آئی تھیں۔

"مَیں۔۔۔ مَیں۔۔۔" بکرے نے آوازیں نکالنی شروع کی تو خالہ نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پہ رکھ دیا۔ بکرا بے چارا گھبرا کر اچھلنے لگا۔ اس ہی وقت خالہ کے گھر کا پچھلا گیٹ بجنے لگا۔

"کون ہے؟ پچھلے دروازے سے چوروں کی طرح آنے کی کیا ضرورت پڑ گئی۔" خالہ جھنجھلاتی ہوئی بکرے کا منہ چھوڑتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بکرے نے سکھ کا سانس لیا۔

"خالہ! کھولیں، ہم ہیں۔۔۔"

"اب کیا اٹھا لائے؟" بلال اور فہد نے ایک بوری خالہ کی طرف بڑھائی۔

"خالہ! یہ بوری ہے۔ اس پہ بھولو بیٹھے گا تو آپ کا گھر گندا نہیں ہو گا۔" بلال نے فکر مندی سے کہا۔

"تمہارے آباؤ اجداد، میرا مطلب ہے تمہارے گھر کے حالات کیسے ہیں؟" خالہ نے چشمہ درست کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ابو کی طبیعت خراب ہو رہی تھی، اکمل چچا ان کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے ہیں۔" فہد نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"ہم غلط کر رہے ہیں شاید۔۔۔" بلال نے خالہ کی طرف دیکھ کر ڈرتے ہوئے کہا۔

"کیا غلط؟ تمہارے گھر والوں کی صلح کروا رہی ہوں، تمہارے اس بکرے کو گھر میں رکھ لیا ہے، رات سے اس کی مَیں مَیں برداشت کر رہی تاکہ تمہارے گھر والوں کی میں ختم کروا سکوں اور تم۔۔۔" خالہ اسے گھورنے لگیں تو اس نے کان پکڑنے میں ہی عافیت جانی۔

"بھائی! ہم کل نیا بکرا لے کر آئیں گے، ان شاء اللہ!" اگلی صبح اکمل صاحب اپنے بھائی کے سامنے کھڑے پہلے جیسی محبت سے کہہ رہے تھے۔

"سچی!!!!!!" فہد اور بلال جو وہیں پاس کھڑے گولو کی خدمت میں مگن تھے، اکمل صاحب کی بات سن کر خوشی سے چلا اٹھے۔

"ابو! ہم دونوں بھی چلیں گے بکرا لینے۔" بلال نے پُرجوش انداز میں کہا تو فہد نے اسے کہنی ماری۔ دونوں بھائی بچوں کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔

گولو اور بھولو

انعم توصیف

3 سال 7 ماہ 13 دن

قلم: رابعہ

جمشید صاحب اور ان کی اہلیہ شدید پریشانی میں مبتلا تھے، کیا کریں اور کیا نہ کریں اور کیسے کریں؟ نے ان کی نیندیں اڑا دیں۔۔۔ان کی اوپر تلے کی تین بیٹیاں تھیں، ان کے بعد اللہ نے دو بیٹے عطا کیے، لیکن یہ سا کا ہی فیصلہ تھا کہ دینے والا جب جی چاہے لے جائے۔ایک تین گھنٹے اور دوسرا محض پانچ سات سیکنڈ دنیا کی ہوا میں سانس لے کر رخصت ہو گئے۔ دونوں میاں بیوی نے منت مانی کہ اللہ تعالیٰ ان کو زندگی والا بچہ عطا فرمائے گا تو وہ عمرہ کی سعادت حاصل کر کے شکرانہ ادا کریں گے۔ دینے والے نے بیٹا عطا کیا اور خوب صحت مند گل گو تھنا بچہ، جو دیکھے پیار کیے بنا رہ نہ سکے۔

خیال یہی تھا کہ جو نہی بچہ دودھ پینے کے دو سال مکمل کرے گا، دونوں میاں بیوی عمرہ کے لیے روانہ ہو جائیں گے، وہاں جانے کی ساری کاغذی کاروائی مکمل ہو چکی تھی کہ ایک خوف ناک، دہشت ناک قسم کی بلا نے ساری دنیا میں اپنے پنجے گاڑ دیے اور سب سے پہلا شکار وہ بنے جو حج کے لیے ذہنی اور جسمانی طور پر تیار بیٹھے تھے۔

دو ماہ چار ماہ کرتے درمیان میں سے دو سالوں کے حج گزر گئے اور اگر حج کی سعادت ملی بھی تو مٹھی بھر زائرین کو، دونوں میاں بیوی رو رو کر دعا کرتے، عمرہ کے متعلق معلومات ہر وقت اپ ڈیٹ ہوتیں، دو تین ٹریول ایجنسیوں، کاروانِ عرب اور کاروانِ زائرین وغیرہ سے مسلسل رابطہ تھا۔ بالآخر ۲۰۲۲ء کے آغاز میں ہی خوش خبری ملی کہ پابندیاں نرم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو گئیں،

دونوں نے از سر نو کاروائی مکمل کی، لیکن مسئلہ تو منے وقاص کا تھا، جس کی عمر صرف تین سال سات ماہ تیرہ دن تھی۔ نہ اتنا چھوٹا کہ اسے ماں باپ کی عدم موجودگی کا پتا ہی نہ چلتا اور نہ اتنا بڑا کہ ہر بات سمجھ لیتا۔

دونوں کا سخت امتحان تھا، چھوڑ کر جانے والوں کا بھی اور ان کا بھی جس کے پاس چھوڑ کر جا رہے ہیں۔

اس ننھی سی جان کو کیسے سمجھایا جائے کہ ماں باپ اسے پورے اکیس دنوں کے لیے چھوڑ کر جا رہے ہیں، وہ تو بہت روئے گا، رو رو کر بیمار ہو جائے گا اور بیمار بچے کا تصور کرتے ہی دو مردہ بیٹے ان کی نظروں میں گھوم جاتے، نمکین پانی آنکھوں سے پھسلتا منہ بھگوتا چھما چھم زمین پر برسنے لگتا۔

خدا سے بھی ڈر لگتا، کہیں ناراض نہ ہو جائے۔مانگتے ہوئے کیا کیا عہد باندھے، مل گیا تو بے فیض بھلکڑ، احسان فراموش!!

بالآخر رات کو سلاتے ہوئے جب وہ روزانہ ہی کسی نہ کسی پیغمبر کی کہانی عام فہم انداز میں بچوں کو سنایا کرتی تھیں تو انھوں نے بسم اللہ پڑھ کر گلا صاف کیا اور پیار سے بولی: ”وقاص بیٹے! جب آپ کے دو بھائی اللہ کے پاس چلے گئے تو ہم نے اللہ جی سے ایک وعدہ کیا تھا۔“

”کون سا وعدہ امی جان؟“ وقاص چونکنا ہوا۔

”بیٹے! ہم نے پیارے اللہ جی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہمیں زندگی والا پیارا سا بیٹا دے گا تو ہم اللہ کے گھر جائیں گے۔“ امی نے بتایا۔

”پھر آپ نے وعدہ پورا کر لیا تھا ناں امی جان۔“ وقاص نے ماں کے گلے میں بازو ڈالے۔

”نہیں بیٹا! کرونا کی وجہ سے نہیں گئے، لیکن اب تو جا سکتے ہیں۔“ وہ مزید کچھ بھی نہ بول پائیں۔

پھر ہمت کر کے بیٹے کو گود میں لیا اور رندھی آواز میں بولیں:

”ہم جانے کے لیے تیار ہیں، لیکن آپ پیچھے سے ہمیں یاد کر کے باجیوں کو تنگ تو نہیں کرو گے، دادی جان کو تو نہیں ستاو گے؟ ہمیں یاد کر کے روؤ گے تو نہیں؟“ وقاص کسی چیتے کی سی پھرتی سے ماں کی گود سے باہر نکلا۔

ماں کے منہ کی طرف چند لمحے دیکھا، پھر دونوں بازوؤں کو اوپر بلند کرتے ہوئے کہا: آپ نے حضرت اسماعیل اور ان کی امی کی کہانی سنائی تھی ناں! جن کے بابا ابراہیم ان کو خالی جگہ پر چھوڑ گئے تھے، کیا وہ روئے تھے؟ امی جان جب وہ بڑے ہو گئے تھے، ان کے بابا نے خواب میں دیکھا کہ پیاری چیز اللہ کو دے دو تو ان کے بابا کو ساری دنیا میں سب سے پیاری چیز اپنا بیٹا ہی لگتا تھا، جیسے آپ کو میں پیارا لگتا ہوں، انھوں نے اس کو ذبح کر دیا تھا تو کیا حضرت اسماعیل روئے تھے؟

میں بھی نہیں روؤں گا، پرومس امی! میں بھی نہیں تنگ کروں گا، میرے پاس تو تینوں آپی، دادی جان دادا ابا اور ساتھ میں نانا جی کا گھر بھی ہے، چار خالاؤں کے ساتھ چھوٹے ماموں بھی ہیں۔

میں بھی حضرت اسماعیلؑ کی طرح بہادر بنوں گا، پھر اللہ جی میرے بارے میں بھی فرشتوں کو بتائیں گے، میں کتنا بہادر بچہ ہوں۔۔۔ہے ناں امی جان۔اس نے بولتے ہوئے امی جان کے منہ کی طرف دیکھا جو آنسوؤں سے تر تھا۔۔۔ہر آنسو کی الگ کہانی اور قیمت تھی۔تشکر، محبت احسان مندی اور بہت کچھ!!!!

”خالہ! بھولو کی رہائی کا وقت آ گیا۔“ فہد نے دانت نکالتے ہوئے خالہ سے کہا۔

”ہیں!!! وہ قید کب ہوا؟“ شہزادہ بنا کر رکھا ہے میں نے، تم بچے تو قربانی کے جانوروں کو بھگاتے ہو، میں نے 'پھولوں' کی طرح رکھا ہے پیارے سے بھولو کو۔بس اس کی آواز نکلنے پہ اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیتی ہوں اور۔۔۔۔“

”خالہ! ہماری بات تو سن لیں۔“ بلال نے سر پکڑتے ہوئے کہا۔

”لو بھلا! میں کم سنتی ہوں کیا! ویسے مجھے سناؤ گے تم؟ خالہ کی عمر کا ہی لحاظ کر لو۔“ خالہ کی ریل گاڑی ایک بار پھر چل پڑی تھی۔

”خالہ! ہمارے ابو کی دوستی ہو گئی ہے۔آج شام وہ نیا بکرا لینے جانے کا کہہ رہے ہیں۔“ وہ دونوں ایک ساتھ اونچی آواز میں بولے۔

”یہ ہوئی نا بات!! دیکھا اپنی خالہ کو۔ کیسا منصوبہ بنایا۔ کس طرح دو بھائیوں کو ملایا۔۔۔“ بلال اور فہد بھولو کی رسی کھول کر باہر بھاگے۔

”کیسے مطلبی بچے ہیں۔کام ختم تو خالہ کی پوری بات بھی نہیں سنی۔“

”اللہ اکبر!“ عیدِ قربان کے دن ہر طرف قربانی کرتے ہوئے اللہ کی بڑائی بیان کی جا رہی تھیں۔ خالہ اپنے گھر میں بیٹھی تھیں کہ دروازے پہ دستک ہوئی۔

السلام علیکم! خالہ۔۔۔ عید مبارک ”اکمل صاحب، اشرف صاحب، فہد اور بلال ایک ساتھ خالہ کے گھر ان کو سلام کرنے اور گوشت لے کر آئے تھے۔

”وعلیکم السلام! خیر مبارک! جیتے رہو۔ہر بار تو بچے لے کر آتے ہیں۔اس بار تم دونوں بھی۔۔۔۔“

”خالہ! ہمیں آپ نے ہی شیطان کے جال سے بچایا ہے۔ ہم نے تو ایک قربانی کی ہے، دوسری قربانی تو آپ نے کروائی ہے ہماری۔“ اکمل صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

”مطلب۔۔۔؟“ خالہ چھک چھک حیران تھیں۔

”آپ نے ہماری انا قربان کروائی ہے۔“ اشرف صاحب نے ہلکی آواز میں کہا۔

”بچوں نے ہمیں ساری بات بتا دی تھی۔“ اکمل صاحب نے خالہ کی الجھن کو سلجھا دیا۔

”یہ بچے بھی ناں۔۔۔ کسی کی نیکی کوئی چھپا ہی لیتا ہے۔اب یہ بھی بھلا کوئی بتانے کی بات تھی۔ ان کے پیٹ میں کوئی بات نہیں رہتی۔ پیٹ۔۔۔۔ پیٹ سے یاد آیا۔ عید کا دن ہے، تم لوگوں کا پیٹ میری باتوں سے تو بھرے گا نہیں، کچھ کھلانا بھی ہو گا، آج عید ہے ناں خوب کھاؤ، خوب بولو۔۔۔“ خالہ چھک چھک باورچی خانے کی جانب بڑھ گئیں۔ان کے پیچھے قہقہوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔

نخریلا بکرا

روبینہ عبدالقدیر

بکرا منڈی میں اس وقت خوب رش تھا۔

جانوروں سے زیادہ انسان موجود تھے جو جانور خریدنے آئے تھے۔

”شالو میاں! تیار ہو جاؤ، تمہیں خریدنے کی باتیں کی جا رہی ہیں۔“ بزرگ بکرے نے سفید نخریلے بکرے سے کہا۔

”مجھے جو بھی خریدے گا خوب پچھتائے گا۔“ شالو لاپروائی سے بولا۔

”جب یہ چھُری تلے آئے گا، اس کے سارے نخرے ختم ہو جائیں گے۔“ دوسرے بکرے کھُسر پھُسر کرنے لگے۔

منڈی میں سب سے پیارا بکرا ”شالو“ تھا، لیکن وہ خاصا مغرور بھی تھا۔اس کے سینگ بھی نوکیلے اور بڑے تھے، منڈی میں آنے والے کچھ بچے بھی اس نے زخمی کیے تھے۔شالو صرف اپنے مالک کے قابو آتا تھا۔

شالو کے پاؤں اور گردن میں رسی ڈال کر کسی کے حوالے کیا جا رہا تھا۔

”ابو! یہ بکرا تو بہت غصے والا ہے، اس نے مجھے سینگ مارنے کی کوشش کی ہے۔“

احمد نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”بیٹا! یہ نئے لوگوں سے ذرا گھبراتا ہے، آپ ڈرو نہیں، یہ ٹھیک ہو جائے گا۔“ مالک نے انھیں تسلی دی۔

منڈی کے باقی بکرے دل ہی دل میں شالو کی ہدایت کی دعا مانگنے لگے تھے۔

شالو کو گھر میں آئے تیسرا دن تھا۔ وہ کسی کو اپنے قریب ہی نہیں آنے دے رہا تھا۔اس کے سامنے پانی کا ٹب اور چارے کا تھال رکھا ہوا تھا، لیکن اس نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

”ابو یہ بہت گندا بکرا ہے، اسے واپس کر دیں۔ قربانی کے لیے نیا بکرا لے آئیں۔“ احمد روتے ہوئے بول رہا تھا۔ شالو اس کی بات سن کر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔

”بیٹا! آپ بکرے کے ساتھ کھیلو، وقت گزارو اسے کھلاؤ پلاؤ آپ کے ساتھ دوستی کر لے گا۔“ ابو نے احمد کو سمجھایا۔

”ہاہاہا! میں نے اسے مار مار کر زخمی نہ کر دیا تو میرا نام بھی شالو نہیں۔“ شالو نے غصے سے مَیں مَیں کرتے ہوئے کہا۔

احمد دور سے بکرے کو دیکھنے لگا۔

”پیارے بکرے، کچھ ہی دن بعد تم قربان ہو جاؤ گے۔ مجھ سے دوستی کر لو نا۔“ احمد نے پیار سے بکرے کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

خلافِ توقع آج شالو چپ تھا۔ اس نے احمد کو زخمی کرنے کا سوچا تھا، لیکن احمد روز اس کے پاس آتا، اس سے ڈھیروں باتیں کرتا، رفتہ رفتہ شالو کو احمد اچھا لگنے لگا تھا۔

”دیکھو! تم قربان ہو جاؤ گے تو ہمیں جنت میں جا کر بھولنا نہیں۔ قیامت والے دن ہمیں اپنے اوپر بٹھا کر جنت میں لے کر جانا۔“

احمد کو اسکول کی استانی نے بتایا تھا کہ جس جانور کو ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرتے ہیں، روزِ قیامت وہ ہمیں اپنی پیٹھ پر سوار کر کے جنت تک لے جائے گا۔ شالو کو بکرا منڈی والے دوست بہت یاد آ رہے تھے۔ اس نے ان کے ساتھ ہمیشہ برا رویہ رکھا تھا۔ وہ دل ہی دل میں شرمندگی محسوس کرنے لگا۔ اس نے نم آنکھوں سے احمد کی طرف دیکھا جو مسلسل بولنے میں مصروف تھا۔

”تمہیں پتا ہے، تمہارے ایک ایک بال کے بدلے ہمیں نیکیاں ملیں گی، جتنے تمہارے جسم پر بال ہوں گے، اتنی نیکیاں ہمیں مل رہی ہوں گی۔“ احمد کی بات سن کر شالو نے گردن موڑ کر اپنے جسم کو دیکھا جو سفید بالوں سے بھرا ہوا تھا۔

پھر احمد نے چارے کا برتن اس کے آگے رکھا تو وہ چپ چاپ کھانے لگا۔

”میں اللہ کی راہ پر قربان ہو جاؤں گا، پھر جنت میں بھی جاؤں گا۔“ شالو کو دل میں خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ احمد اسے اور بھی اچھی اچھی باتیں سنائے، لیکن احمد اپنی امی کے بلانے پر اندر چلا گیا تھا۔

قصائی نے چھری اٹھائی اور شالو کو قابو کرنا چاہا۔

خود کو آرام سے قصائی کے حوالے کرتے ہوئے شالو نے اداس آنکھوں سے احمد کی طرف دیکھا جو دروازے پر کھڑا بکرے کو ہاتھ کے اشارے سے اللہ حافظ کہہ رہا تھا۔ شالو بکرے نے اپنے دونوں پیر ہوا میں لہرائے جیسے احمد کو جواب دیا ہو اور زمین پر لیٹ گیا۔ چند ہی لمحے بعد شالو بکرا جنت کی سیر کر رہا تھا جب کہ ہادی اس کی بوٹیاں بنتا دیکھ رہا تھا۔

مانی کی گائے

سمیرا انور

بقرہ عید میں چند روز باقی تھے۔ گلی، محلوں میں جانوروں کی گہما گہمی تھی۔ کسی نے اپنے گھر تو کسی نے دکان کے سامنے اپنے جانور باندھ رکھے تھے۔ وہیں انھیں نہلایا جاتا اور وہیں ان کا گوبر پھینک دیا جاتا۔ گندگی اور بدبو نے عجیب سی فضا پھیلائی ہوئی تھی۔ مسجد جانے والوں کو بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا۔ کبھی کپڑوں تو کبھی پاؤں پر چھینٹے پڑ جاتے۔ جانوروں کے خراب بھوسے کو وہیں ایک کونے میں پھینکا جانے لگا، جس کی وجہ سے مکھیوں اور مچھروں نے ہر طرف ڈیرا جمانا شروع کر دیا۔

"ابو جان! ہم کب قربانی کا جانور لے کر آئیں گے؟" دس سالہ مانی نے اپنے ابو جان سے پوچھا۔ دراصل مانی کے ابو جان گلی کے حالات دیکھ کر خاموش تھے۔ وہ کسی کو تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے۔ ان کے گھر میں اتنی زیادہ جگہ نہیں تھی کہ جانور کو باندھ سکیں۔ "بیٹا! قربانی کا جانور تو ہم کل ہی لے آئیں، لیکن اسے کہاں رکھیں گے؟" انھوں نے پریشانی سے کہا۔ "ابو جان! حذیفہ کی طرح ہم بھی اسے گلی میں باندھیں گے۔" مانی کی بات سن کر انھوں نے نفی میں سر ہلایا اور بولے: "ارے بالکل نہیں۔ پہلے ہی گلی کا برا حال ہو گیا ہے۔ نہ تو وہ گلی کی صفائی رکھتے ہیں اور نہ ہی اپنے بکروں کی، جو بھی یہاں سے گزرتا ہے انھیں برا بھلا کہتا ہے۔ اس لیے ہم اپنے جانور کو یہاں نہیں رکھیں گے۔" ابو کی بات سن کر مانی سوچ میں پڑ گیا۔ ابو جان بالکل ٹھیک کہہ رہے تھے۔ گلی محلے میں جانوروں کا باندھنا اچھی بات نہیں ہے۔ ایک تو راہ گیروں کے گزرنے کے لیے جگہ تنگ ہو جاتی ہے اور دوسرا غلاظت کے ڈھیر لگ جاتے ہیں جو بیماریوں کی وجہ بنتے ہیں۔ "ابو جان پھر ہم کیا کریں۔ قربانی کا جانور تو ہم نے لے کر آنا ہی ہے۔" مانی کی بات کر اس کے ابو جان سوچ میں پڑ گئے۔ دراصل وہ ہر سال چاند رات کو ہی جانور لے کر آتے تھے، لیکن اس بار مانی اور اس کے ابو جان جانور کو کچھ دن پہلے لے کر آنا چاہتے تھے، تاکہ اس کی اچھے انداز سے خدمت کر سکیں۔ اب مسئلہ اسے رکھنے کا تھا کہ کہاں رکھا جائے۔

اگلے دن مانی اور اس کے ابو جان کچھ فاصلے پر واقع ایک خالی پلاٹ کے مالک سے ملنے گئے۔ پلاٹ کی چار دیواری بنی ہوئی تھی۔ اس کا مالک مانی کے ابو جان کی جان پہچان والا نکلا۔ انھوں نے اپنا مسئلہ اسے بتایا اور کچھ روز کے لیے پلاٹ میں اپنا جانور باندھنے کی اجازت لی۔ پلاٹ کے مالک نے بخوشی انھیں وہاں جانور رکھنے کی اجازت دے دی۔ اسی شام مانی اور اس کے ابو جان ایک سفید رنگ کی خوب صورت گائے خرید لائے اور اسے اسی پلاٹ میں جا کر باندھ دیا۔ مانی نے اس کے لیے تازہ چارہ لا کر رکھا۔ ابو جان نے اس کی جگہ صاف کی۔ پانی کا انتظام کیا۔ رات کو ابو جان اور مانی اس کے پاس سو جاتے۔ اسکول سے چھٹیاں ہونے کی وجہ سے مانی سارا دن گائے کے پاس رہتا۔ اس کے کھانے پینے کا خیال رکھتا۔ اسے اپنی گائے سے بہت پیار ہو گیا تھا۔ "اللہ تعالیٰ کو ہمارے قربانی کے گوشت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسے ہمارا اخلوص اور محبت ہی چاہیے ہوتا ہے۔" آج صبح ہی مسجد کے امام نے کہا تھا۔ مانی نے امام صاحب کی بات پر عمل کرتے ہوئے اپنی گائے کا پہلے سے بھی زیادہ خیال رکھنا شروع کر دیا تھا۔ بھولی بھالی گائے بھی مانی کی طرف ممنون انداز سے دیکھتی اور خوش ہوتی۔ "وحید صاحب آپ نے تو بہت اچھا کام کیا ہے۔ یہاں تو نہ کسی کو اپنے جانوروں کا خیال ہے اور نہ ہی انھیں راہ گیروں کی مشکلات کا احساس ہے۔" مسجد کے امام صاحب نے انھیں سراہتے ہوئے کہا۔ اگلے دن انھوں نے سب نمازیوں کو مانی کے ابو جان کے بارے میں بتایا کہ کس طرح وہ اپنے قربانی کے جانور کو عزت دے رہے ہیں اور کس طرح وہ دوسروں کو پریشانی سے بچا رہے ہیں۔ وہ سب بھی اپنے جانوروں کے لیے ایسا ہی کچھ انتظام کریں، تاکہ کسی کو بھی مشکل نہ ہو اور گلی، محلّہ بھی بدبو سے چھٹکارا پا سکے۔ "قربانی تو جذبے کا نام ہے۔ ایک ایسے احساس کا نام ہے، جس سے ہماری محبت اللہ کریم تک پہنچ سکے۔" امام صاحب کی بات سن کر سب نمازیوں کی آنکھیں جھک گئیں اور انھیں اپنی اپنی غلطیوں کا احساس ہوا۔ عید قربان کا دن تھا۔ مانی اور اس کے ابو جان قصائی لے آئے۔ انھوں نے گائے کو پانی پلایا۔ اپنی گائے کو قربان ہوتے دیکھ کر مانی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ اظہارِ تشکر کے آنسو تھے۔ اس نے اپنی پیاری گائے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیا تھا۔ یہ سوچ کر اسے سکون محسوس ہوا۔ گائے سے اس کی انسیت دراصل اپنے رب سے محبت تھی۔ قربانی کے بعد گوشت کے تین حصے کیے گئے۔ مانی نے گائے کی جگہ اچھے سے صاف کی۔ کھال مدرسے کو دے دی۔ "الحمدللہ، الحمدللہ!" مانی اور اس کے ابو جان خوش تھے۔ ان کا دل مطمئن تھا کہ انھوں نے قربانی کا فریضہ پورے جذبے سے مکمل کر لیا تھا۔

بقیہ مانو

"نہیں بیٹا! ایسا نہیں ہے، پہلی بات ہم قربانی اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کے لیے کرتے ہیں، نا ں کے دکھلاوے اور ریا کے لیے۔"

دوسری بات یہ کہ سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (مفہوم)

نہ اُن کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون، مگر اُسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اُس نے ان کو تمہارے لیے اِس طرح مسخّر کیا ہے، تاکہ اُس کی بخشی ہوئی ہدایت پر تم اُس کی تکبیر کرو اور اے نبی (ﷺ)! بشارت دے دے نیکو کار لوگوں کو ضامن کے دل سے امی جان کی بات سن کر بدگمانی کے بادل چھٹنے لگے۔ اب وہ بھی چھوٹے بھائیوں کے ساتھ مل کر مانو کے ساتھ کھیلنے لگا۔ مانو بھی ایک اور دوست کو پا کر بہت خوش ہوئی اور ضامن کے ہاتھوں پر اپنا چہرہ ملنے لگی۔۔۔

شام کو ضمیر صاحب گھر پہنچے تو گھر کی رونق دیکھ کر بیگم کو متشکر نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

اور پھر چند دنوں بعد عید قربان پر مانو کی قربانی کرتے ہوئے تینوں بھائیوں کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں، لیکن امی جان نے انھیں "لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ" کی تفسیر بھی سمجھائی تھی کہ بہترین صدقہ تو وہی ہے جو اپنی عزیز چیز کا دیا جائے۔

عید قربان

ایس بخاری

عید ہے آئی — خوشیاں لائی
بکرا دُنبہ — گائے لائی
قربان کریں — مل کے بھائی
ہو جائے گا — اللہ راضی
نفرت کو بھی — ہے دھو دیتی
سنت ہے یہ — ابراہیمی
حکم ہوا تھا — جب ان کو ربی
عید ہے آئی — خوشیاں لائی

ایک کہانی ایک جانور

گھوڑا

فوزیہ خلیل

آج جماعت میں پسندیدہ جانوروں کے بارے میں بات ہو رہی تھی کہ کس کو کون سا جانور پسند ہے۔

"مجھے ببر شیر پسند ہے۔" رحمت نے کہا۔ "شیر جنگل کا بادشاہ ہے۔ اور مجھے چیتا اچھا لگتا ہے۔" صبیح بولا۔

"مجھے پانڈا پسند ہے۔ کس قدر خوب صورت لگتا ہے۔" حمزہ علی نے اٹھ کر کہا۔

"مجھے بکریاں اچھی لگتی ہیں۔" زین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"عکاشہ آپ کیوں چپ بیٹھے ہیں۔ آپ کو کیا پسند ہے؟" سر عمیر نے پوچھا۔

"سر۔۔۔ مجھے گھوڑا پسند ہے۔" عکاشہ نے کھڑے ہو کر کہا۔

"گھوڑا۔۔۔ وہ کیوں؟" اسد نے پوچھا۔

"اس لیے کہ ہمارے نبی ﷺ کو گھوڑا پسند تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے گھوڑے کی پیشانی میں قیامت تک کے لیے خیر رکھ دی ہے۔" عکاشہ نے جواب دیا۔

"ہاں اور ہمارے نبی ﷺ گھڑ سواری فرماتے تھے۔ دوسرے انبیائے کرام جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام وغیرہ نے بھی گھڑ سواری فرمائی۔" صبیح نے جلدی سے کہا۔

"ہاں اور گھوڑوں کی فضیلت اس اعتبار سے بھی ہے کہ وہ میدانِ جنگ میں شریک ہوتے تھے۔ قرآنِ پاک اور احادیثِ مبارکہ میں گھوڑوں کا ذکر جگہ جگہ ملتا ہے۔" عبدالرافع نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"اور اس کے علاوہ گھوڑوں میں بہت سی خوبیاں ہیں، دیکھنے میں بہت خوب صورت اور پُر وقار لگتا ہے۔ اس کی چال بھی نرالی ہے۔ اس کی دیکھنے کی صلاحیت اور سننے کی صلاحیت بھی بہت اچھی ہوتی ہے۔" عکاشہ بولا۔

"سر۔۔۔ میں بھی گھوڑے کے بارے میں کچھ عرض کروں؟" صائم نے کھڑے ہو کر پوچھا۔

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ ضرور۔" سر عمیر بولے۔

"گھوڑا کھڑے کھڑے بھی سو سکتا ہے۔"

"کیا مطلب؟ کھڑے کھڑے۔۔۔" بچے حیرت سے بولے۔

"ہاں یہ کھڑے کھڑے سو لیتا ہے اور اُس کے کان میں ۱۰ مختلف طرح کے عضلات پائے جاتے ہیں۔"

"اچھا۔۔۔ اور کچھ۔؟" سر عمیر نے پوچھا۔

"سر۔۔۔ میں نے پڑھا تھا گھوڑے کے منہ میں دانت ہوتے ہیں، لیکن اس کے منہ کے درمیانی حصہ میں دانت نہیں ہوتے۔" رحمت اللہ نے کہا۔

"ہاں۔۔۔ اور گھوڑے بہت ذہین ہوتے ہیں۔ ان میں اعلیٰ ذہانت پائی جاتی ہے اور یہ نقل و حمل کے لیے بہت ہی مناسب ہوتے ہیں۔" سہیل نے کہا۔

"سر۔۔۔ ابھی کچھ دیر قبل بات ہوئی تھی کہ پیغمبرانِ کرام نے گھڑ سواری فرمائی تھی، میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ فرشتے بھی گھوڑوں پر سوار ہو کر نازل ہوئے تھے۔" صبیح نے کہا۔

"اچھا، وہ کب؟" بچے بے ساختہ بولے۔

"غزوہ بدر میں۔ فرشتہ گھوڑوں پر سوار ہو کر نازل ہوئے تھے اور انھوں نے کافروں سے مقابلہ کیا تھا۔"

"اچھا۔" بچے یہ سن کر خوش ہوئے۔

"اور کوئی بچہ گھوڑے کے بارے میں کچھ بتائے گا۔" سر عمیر نے جماعت میں طائرانہ نگاہ ڈالی۔

حذیفہ زبیری کھڑا ہوا:

"سر۔۔۔ گھوڑی کا ایک بچہ ہوتا ہے یعنی کبھی بھی جڑواں یا اُس سے زائد نہیں ہوتے۔"

"گھوڑے کے ڈھانچے میں کل ۲۰۵ ہڈیاں ہوتی ہیں۔"

اب سہیل کی باری تھی وہ سوچتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"گھوڑے وہ جانور ہیں جو گھاس پھوس کھاتے ہیں اور یہ گھاس پھوس کے علاوہ مٹر، پھلیاں، پھل جیسے سیب وغیرہ بھی کھا لیتے ہیں اور ان کو گاجریں کھلائی جائیں تو یہ گاجریں بھی شوق سے کھاتے ہیں۔"

"زبردست۔" سر عمیر نے بچوں کی معلومات پر خوش ہو کر کہا۔

"گھوڑوں کی بینائی اور سماعت تو اچھی ہوتی ہی ہے، ان کی یادداشت بھی بہت اعلیٰ ہوتی ہے، گھوڑے ہمارے الفاظ تو نہیں سمجھ سکتے یہ ہمارے جذبات بھی بہت زیادہ نہیں سمجھ پاتے جیسا کہ عموماً کتے جذبات سمجھ لیتے ہیں، لیکن گھوڑے ہمیں یاد رکھ سکتے ہیں اپنے مالک اور ان سے وابستہ افراد کو اس کے علاوہ یہ مختلف رنگ پہچانتا ہے۔ پیلا اور نیلا رنگ بہترین طریقے سے پہچانتا ہے۔ البتہ لال رنگ کو شناخت نہیں کر پاتا۔"

"اس کے علاوہ یہ اچھے تیراک بھی ہوتے ہیں، چوں کہ ان کے پھیپھڑے بڑے بڑے ہوتے ہیں تو انھیں تیرنے میں دشواری نہیں ہوتی اور ان کی اوسط زندگی ۲۵ سے ۳۰ سال ہوتی ہے۔" عکاشہ نے کھڑے ہو کر کہا۔

"غزوہ احد میں مسلمانوں کے پاس ۲ گھوڑے تھے، پھر یہ تعداد بڑھی، غزوہ خیبر میں ۲۰۰ گھوڑے اور غزوہ تبوک میں ۱۰ ہزار گھڑ سوار تھے اور گھوڑوں کو پسند کرنے کے لیے یہی وجہ کافی ہے کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ گھوڑوں سے محبت کرتے تھے۔ ے خوش بخت گھوڑے ایسے تھے جن پر نبی کریم ﷺ سوار ہوئے۔"

بچوں کا مذاکرہ ابھی جاری تھا کہ پیریڈ ختم ہونے کی گھنٹی بج گئی۔ بچے دل میں سوچنے لگے، کاش! آج پیریڈ لمبا ہوتا تو وہ گھوڑوں کے بارے میں مزید جان لیتے۔

بن بلائی

روز مرّہ: اہلِ زبان کی بول چال کو کہتے ہیں۔اس کا ہر لفظ حقیقی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے آئے دن کی جگہ آئے روز کہنا غلط ہے۔ روز مرّہ کی پابندی نظم و نثر میں لازمی ہوتی ہے۔

یہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ چاندنی چوک کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں بہت سی دکانیں تھیں۔ یہاں چھمیے کا ہوٹل بھی تھا۔ سارا دن دودھ کڑائے میں کڑھتا رہتا تھا۔ اس دودھ پر بہت موٹی بالائی آتی تھی۔ یہ بالائی اتنی ذائقے دار تھی۔ ہر کوئی اسے خریدنا چاہتا تھا۔ اس کی دکان پر ہر طرح کا آدمی آتا تھا۔ پھل والا نیاز چاچا، درزی قاسم، کاریگر شرفو جو اپنے آپ کو مہا کاریگر کہتا تھا۔ لوگ اس کی باتیں سن کر بہت ہنستے تھے۔ یہ سب چاچا چھمیے کے دوست تھے۔ دودھ کی بالائی کھانے کے شوقین تھے، جو آتا وہ کہتا: بھیّا ذرا پیالا بھر دینا، بھیا بڑی زوروں کی بھوک لگی ہے۔ خوب کھائیں گے جان بنائیں گے۔

پورے قصبے میں اس کی بالائی کا بڑا شور تھا۔ سب بڑے بڑے پیالے بھر کر بالائی خریدتے تھے۔ اس کی دکان لوگوں سے کھچا کھچ بھری رہتی تھی۔ ٹیپو بھی اس دکان پر آتا تھا۔ وہ ایک ذہین بچہ تھا۔ وہ بہت معصوم اور سیدھا سادہ تھا۔ اس قصبے کے مدرسے میں پڑھتا تھا۔ پڑھنے سے زیادہ اسے پڑھانے کا شوق تھا۔ اس کے پاس ایک چھوٹی سی بلی تھی، جو ٹیپو کی طرح اس ہوٹل کی بالائی بڑے شوق سے کھاتی تھی۔ وہ اسے مانو کہتا تھا۔ مانو ہر وقت مونچھیں چلاتی رہتی تھی۔ وہ تو منٹوں میں ساری کی ساری بالائی چاٹ جاتی تھی۔ وہ اسکول سے آنے کے بعد اپنی مانو کو پڑھاتا تھا۔ مانو بھی اس کے سامنے بیٹھی اس کی ہر بات پر دم ہلاتی رہتی تھی۔ امی جب دال یا کوئی سبزی پکاتیں تو اسے ضرور چھمیے کی ہوٹل کی بالائی منگوا کر دیتیں۔ وہ پراٹھے سے بالائی مزے سے کھاتا۔ ہوٹل والے چاچو اپنے سر پر ٹوپی رکھتے تھے۔ وہ کہتے تھے یہ میرے سرکار ﷺ کی سنت ہے۔ اس لیے اللہ نے مجھے نوازا ہے، وہ اپنی دکان سے کسی فقیر کو خالی ہاتھ نہیں جانے دیتے تھے۔

بالائی والے چاچو ٹیپو کی مانو کے لیے الگ سے بالائی دیتے تھے۔ وہ خوشی خوشی بالائی پیالی میں ڈالتے ہوئے کہتے، جانوروں کو کھلانے سے رزق بڑھتا ہے۔ یہ لو ٹیپو میری طرف سے مانو کا ہدیہ، ٹیپو خوش ہو جاتا، لیکن یہ کیا؟ ایک روز جب اس نے اپنی بلی کے آگے بالائی کی پیالی رکھی تو جانے کہاں سے دوسری بلی آگئی۔ جس نے جھٹ پٹ چٹ چٹ کر کے ساری بالائی کھالی۔ ٹیپو کی مانو دیکھتی رہ گئی۔ ٹیپو کی امی بولیں:

”ارے یہ بن بلائی کہاں سے آگئی۔“ امی! دیکھیں نا اس نے بالائی کھائی اور بھاگ گئی۔ ”ٹیپو کو افسوس تھا۔ امی نے اسے سمجھایا۔“ بیٹا! کھانے پر کھانے والے کا نام لکھا ہوتا ہے۔ اپنی مانو کو ابلی ہوئی چکن دے دو۔ ٹیپو نے اپنی مانو کو کھانا تو دے دیا، مگر وہ پریشان ہو گیا اگر کل بھی بن بلائی نے یہی کیا تو میری مانو کا کیا ہوگا۔ دوسرے دن وہی ہوا جس کا ٹیپو کو ڈر تھا۔ جوں ہی ہی ٹیپو نے مانو کے لیے ناشتا رکھا۔ بن بلائی چپکے چپکے آئی اور مانو کا سارا ناشتا کھا گئی۔

بن بلائی ایک کالی بلی تھی، اس کی آنکھیں ہری تھیں، کان پر چوٹ کا نشان تھا۔ جیسے اس نے بالی پہن رکھی ہو۔ اس کی بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔ بہت پھرتیلی تھی۔ خُر خُر کر کے دم ہلاتی اور بھاگ جاتی ۔۔۔ ٹیپو کو وہ پہاڑی بلی شیر جیسی لگتی تھی۔ اس کا جسم بہت مضبوط اور توانا تھا۔ اس کے پنجے بھی تیز تھے۔ لمبی دم۔ ٹانگیں بھی لمبی لمبی۔ اس لیے چھلانگیں بھی وہ آسانی سے لگا لیتی تھی۔ ہر بار وہ ٹیپو کے وار سے بچ جاتی تھی۔

ٹیپو کی امی اسے مارنے سے روکتے ہوئے کہتیں: ”ٹیپو یہ بہت بری بات ہے۔ یہ بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ کسی بھی جاندار کو مارنا گناہ ہے۔“ ”مگر امی اسے کوئی پسند نہیں کرتا۔ یہ کالی ہے۔ سب کو گندی لگتی ہے اور میری تو مانو کا سارا کھانا بھی کھا لیتی ہے۔“ ٹیپو نے امی کو اپنے مارنے کی وجہ بتائی۔ امی نے اسے سمجھایا: ”بیٹا اسے اللہ پاک نے ایسا پیدا کیا ہے۔ اللہ نے اسے خوبیوں سے بھی نوازا ہے۔ مانو کو دیکھو وہ سفید بلی ہے بہت خوبصورت ہے اسے دیکھتے ہی سب کو پیار آتا ہے مگر وہ بن بلائی کی طرح تیز نہیں بھاگتی۔ بن بلائی اس لیے تیز دوڑتی ہے کیوں کہ اس کا جسم لچک دار ہے۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں بہت لچک ہے۔ اس کے جبڑے بھی بہت طاقت ور ہیں۔ اس کی نظر بھی بہت تیز ہے۔ وہ مینڈک، چڑیا وغیرہ دوسرے ہی لمحے میں دبوچ لیتی ہے۔ اسے اندھیرے میں سب دکھائی دیتا ہے۔ وہ فوراً شکار کرتی ہے۔

اسے مارو تو غراتی ہے۔ جب کہ مانو ہماری گول مٹول ہے۔ اس کا پیٹ ڈول جیسا ہے۔ وہ اپنی گول گول آنکھوں سے ٹکر ٹکر دیکھتی ہے۔ ربڑ کی طرح اچھلتی کودتی ہے۔ میاؤں میاؤں کا شور کرتی ہے۔ اس لیے وہ سب کو پیاری لگتی ہے۔ بن بلائی کو بھی کھانے دیا کرو۔ اللہ پاک تم سے خوش ہوں گے۔ دوسرے دن وہ بالائی والے چاچو کے پاس اپنے اور مانو کے لیے بالائی لینے گیا۔ وہ یہ سوچ کر اداس تھا۔ اس کی مانو کی بالائی تو بن بلائی ہی چاٹ جائے گی۔ بالائی والے چاچو نے اس سے پریشانی کی وجہ پوچھی جب اس نے بن بلائی کے بارے میں بتایا تو چاچو ہنسنے لگے اور بولے: ”او ٹیپو فکر مت کر۔ اس بن بلائی کے لیے بالائی بالکل مفت مجھ سے لے جایا کرو۔ جانور اللہ کی مخلوق ہوتے ہیں۔ ان کو کھلانے سے رزق بڑھتا ہے، یہ لے بن بلائی کے لیے الگ سے بالائی۔“ اس نے تھیلی پکڑی اور خوشی خوشی گھر آگیا۔ بن بلائی کو کھلانے سے نہ صرف ٹیپو کے گھر میں برکت آئی بلکہ بالائی والے چاچو نے خوب ترقی پائی۔ ان کی اب اس قصبے میں بالائی کی چار اور دکانیں ہیں۔

مشکل الفاظ

بن بلائی	بغیر بلانے کے جو آئے
دبوچ لینا	منہ سے پکڑ لینا
برکت	تھوڑی چیز میں زیادہ کام بن جانا

یتیموں کا سائبان
بیت السلام

بیت السلام کر رہا ہے یتیم بچوں کی کفالت آپکے تعاون سے آئیں اس نیک کام میں ہمارا ساتھ دیں

ضروریات:
• کرنٹ پاسپورٹ سائز بچوں کی تصویر
• بے فارم
• سی این آئی سی ماں اور باپ کی کاپی
• والد کا ڈیتھ سرٹفیکیٹ
• اسکول مارک شیٹ / اسکول کارڈ

شرائط:
• عمر 12 سال سے کم ہو
• بچہ اسکول کا طالبِ علم ہو

Address:
Baitussalam Imdadi Markaz,Mezzanine Floor,Chapal Beach Arcade III, Clifton Block 4, adjacent to Imtiaz super store and oppositeHyperstar Carrefour super store Karachi.
(For Karachi Residents Only)

+92 333 4632340
+92 021 35290156

عیدِ قرباں کی ڈھیروں خوشیاں مبارک

پیارے بچو!!! یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ عید خوشیوں کا پیغام بن کر آتی ہے۔ہمارے والدین ہمارے لیے اچھے کپڑے۔اچھے اچھے کھانے بناتے ہیں۔سیر سپاٹا اور تفریح کرتے ہیں اس طرح ہم خوب مزے کرتے ہیں۔

اور کیا آپ یہ جانتے ہیں عید الاضحیٰ ہمیں کیا سبق دیتی ہے۔ان میں ایک بڑا سبق والدین کی فرماں برداری بھی ہے۔ جی حضرت اسماعیلؑ علیہ السلام کی قربانی میں ان کی فرماں برداری قابل توجہ ہے۔جیسے ہی انھیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے،فوراً ہی والد کی بات پر لبیک کہتے ہوئے سر جھکا دیتے ہیں۔یہاں ایک چھوٹے سے بچے کی اللہ اور والد سے محبت نظر آتی ہے۔

بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ہم پر انعامات کی بارش ہے۔اور والدین کے ہم پر ڈھیروں احسانات ہیں۔

تو ہمیں چاہیے کہ اللہ کے حکموں کو پورا کرتے ہوئے والدین کی ہر ہر بات مانیں۔

والدین اگر پکاریں تو ایک آواز میں ان کی بات سنیں۔

ان کے سامنے اونچی آواز سے بات نہ کریں۔ نظر جھکا کر ادب سے بات کریں۔

کیوں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں کہ والدین کو اف تک نہ کہو۔

کرتے ہیں نا پیارے بچے وعدہ کہ یہ سب کریں گے!!

ماہنامہ فہم دین جولائی کے نئے سوالات

سوال نمبر1:
حضرت لوطؑ کے بعد وہ کون شخص ہیں جنھوں نے اپنے گھر والوں کے ساتھ ہجرت فرمائی؟

سوال نمبر2:
حبیبہ کس علاقے میں رہتا ہے؟

سوال نمبر3:
ایام بیض میں سمندر میں کیا ہوتا ہے؟

سوال نمبر4:
حذیفہ کو راہِ راست پر کون لایا؟

سوال نمبر5:
کس مچھلی کی زبان کا وزن تین ٹن ہوتا ہے؟

اپریل کے سوالات کے جوابات

جواب نمبر1:حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی عمر 20 برس تھی۔
جواب نمبر2:کاشف نے الحمدللہ کے فضائل سنے تھے۔
جواب نمبر3:بھالو میاں کی شادی میں۔
جواب نمبر4:عامر کو اپنی خالہ کے گھر کے پاس بچھو نظر آیا تھا۔
جواب نمبر5:چینی مرغیوں کی جوڑی لائی تھیں۔

سنیے!!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ اپنا نام عمر کلاس اسکول/مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں۔ جوابات اور فن پارہ وٹس ایپ کرنے کے لیے نمبر نوٹ کرلیں
03162339088

اپریل 2022ء کے سوالات کے درست جوابات دینے پر کھروڑ پکا سے عبد المجید شاکر

کو شاباش۔
انہیں تین سو روپے مبارک ہوں

بچوں کے فن پارے

ام ہانی، دوم اقراء
جنت الاطفال سیکنڈری اسکول کراچی

سارہ جنید معہد الخلیل کراچی

عائشہ فاطمہ، چہارم،
آدم جی گرامر اسکول کراچی

اروی عمیر سوم،
آسا جلال اسکول کراچی

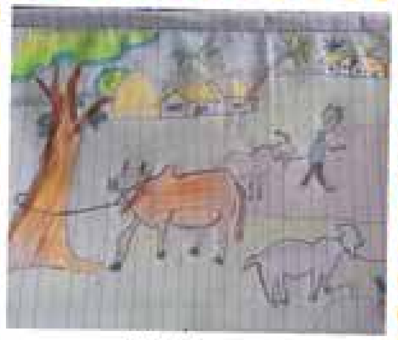

محمد حارث خان
شعبہ حفظ دارارقم سکول اسلام آباد

بریرہ عبد اللہ
شمسی سوسائٹی ماڈل اسکول کراچی

عبد اللہ سلیم میمن علوی
بوائز سیکنڈری اسکول کراچی

محمد ادریس، سوئم
نیو اقرء روضۃ الاطفال کراچی

ہر ماہ ایک فن پارے پر 300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ مریم سمیع کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

جوہر عباد

پڑی تم پہ رب کی نظر حاجیو!
ملی تم کو حج کی خبر حاجیو!
کرو تم خدا کا شکر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

خدا کا ہے تم پہ یہ لطف و کرم
حقیقت میں دیکھو گے اب تم حرم
زمیں پہ وہ اللہ کا گھر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

جو میقات پر پہنے احرام ہیں
لگے ایک سے، خاص اور عام ہیں
ہے رحمت کا سب پر اَبر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

پڑھے جاؤ تلبیہ تم بار بار
گزارو گے ہر پل وہاں یادگار
زباں پر رہے یہ ذکر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

طواف حرم کرنا ایسے ادا
نہ بھٹکے تمہاری کہیں یہ نگاہ
دلوں میں لیے رب کا ڈر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

صفا اور مروہ پہ تم دوڑنا
نہیں کوئی اس میں کسر چھوڑنا
کرو یہ عمل پُر اثر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

ملے گا تمہیں موقع استلام
ادا کرنا اس کو بعد احترام
لیے سانسیں زیر و زبر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

وقوفِ عرفہ ہے حج کا اصل
کرے گا میرا رب اسے بھی سہل
سنو! خطبہ مقبول تر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

جمع یہ جو اتنے مسلمان ہیں
حقیقت میں اللہ کے مہمان ہیں
ہوئے سارے شیر و شکر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

ہے مزدلفہ میں رات بھر کا قیام
پھر بعد از فجر سفر کا اہتمام
خدا دے گا اس کا اجر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

کرو گے جو جمرات میں تم رمی
نہیں کرنا کوئی بھی اس میں کمی
ہے شیطان مغلوب تر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

مِنیٰ میں نحر اور حلق راس ہے
کیا رب نے ہر مرحلہ پاس ہے
ہوئے اب ہو تم معتبر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

کرو شوق سے سارے ارکانِ حج
کہ پورا کیا رب نے ارمانِ حج
بنے تم ہو رشکِ قمر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

رہے گا نہ دامن پہ کوئی گناہ
کہ ہو جیسے اک بچہ نوزائیدہ
مشقت کا ہے یہ ثمر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

ادا فرض کے ساتھ سنت ہوئی
خدا اور نبی ﷺ کی اطاعت ہوئی
قبول حج ہو المختصر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

دُعا کرنا تھوڑی جو فرصت ملے
کہ جوہرؔ کو حج کی سعادت ملے
ہو رب راضی روزِ حشر حاجیو!
مبارک ہو حج کا سفر حاجیو!

فضیلت عید قرباں کی

ارسلان اللہ خان

نبی ﷺ نے ہم کو بتلائی فضیلت عید قُرباں کی
خُدا کے فضل سے آئی ہے ساعت عیدِ قُرباں کی

جو رکھّے استطاعت اُس پہ لازم ہے یہ قُربانی
سبھی کے واسطے لیکن ہے فرحت عیدِ قُرباں کی

خلیل اُللہ (علیہ السلام) کی سُنّت ہے قُربانی مُسلمانو!
ہر اِک مومن کے دل میں ہے محبت عیدِ قُرباں کی

اُسے یہ چاہیے کہ شُکر رب کرتا رہے ہر پل
جسے اللہ نے دی ہے سعادت عیدِ قُرباں کی

غریبوں کے گھروں میں بھی بہت سا گوشت آتا ہے
سُبحان اللہ! یہ کتنی ہے برکت عیدِ قُرباں کی

کہیں گائے، کہیں پر اونٹ ہے تو ہے کہیں بکرا
کہ کتنی رونقیں لائی ہے سُنّت عیدِ قُرباں کی

ریاکاری سے ہم سب کو بچالے اے مرے مولیٰ!
ہمارے قلب پر چھا جائے عظمت عیدِ قُرباں کی

بڑی ہے عید اور بچّے بڑے سب ہی بہت خوش ہیں
ہے دیکھو ارسلاںؔ کیسی مسرّت عیدِ قُرباں کی

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: اطہر فتح پوری

حمد

آتا ہے جب زبان پہ ترا نام، اے خدا
بنتے ہیں سارے بگڑے ہوئے کام، اے خدا
صبحیں ترے ہی نور سے ہوتی ہیں ضوفشاں
مہکے ترے ہی ذکر سے ہر شام، اے خدا
پڑھتا ہوں جب کلام ترا غور و فکر سے
ہوتے ہیں دور سب مرے ابہام اے خدا
حرص و ہوس سے جب بھی قدم ڈگمگائے ہیں
مجھ کو ترے کرم نے لیا تھام، اے خدا
ہو جس کی دھڑکنوں میں ترا ذکر موجزن
اس دل میں کیوں مقیم ہوں آلام، اے خدا
پیش نظر رہے ترے محبوب کا چلن
پیش عمل رہے ترا پیغام، اے خدا
اُس راستے پہ چلنے کی توفیق دے ہمیں
جس راستے پہ ہیں ترے انعام، اے خدا

شاعر: اخلاق عاطف انتخاب : محمد عزیز دریشانی

نعت

سخن کی داد خدا سے وصول کرتی ہے
زبان آج ثنائے رسولؐ کرتی ہے
کہی ہے نعتِ نبیؐ روح کی نمو کے لیے
لہو میں ڈوب گیا قلم وضو کے لیے
ہر ایک سانس محمدؐ کے نام پر نکلا
خیال ذہن سے احرام باندھ کر نکلا
حضور یوں مری آنکھوں کے سامنے آئے
کوئی چراغ کی لو جیسے تھامنے آئے
جبیں لیے، جو قدم کے نشان تک پہنچا
قدِ حقیر مرا آسمان تک پہنچا
نبی کا گوشۂ دامن جو بات میں آیا
سمٹ کے سارا جہاں میری ذات میں آیا
وہ عکسِ قرب مری روح میں اترنے لگے
کہ میری خاک پہ آئینے رشک کرنے لگے
نظر نے آپ کے جلووں کا جب طواف کیا
خدا نے مجھ سے گنہگار کو معاف کیا

انتخاب : محمد اسامہ زنگی
شاعر : مظفر وارثی

نبی کا اسمِ گرامی ﷺ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: جس کے سامنے میرا تذکرہ کیا جائے اس پر لازم ہے کہ مجھ پر درود پڑھے، اس لیے جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے تو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اس پر ۱۰ مرتبہ رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔

انتخاب: محمد نعیم خان (المعجم الاوسط للطبرانی: 4948حدیث صحیح)۔

اشعار

جنہیں میں ڈھونڈ تا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانہ دل کے مکینوں میں
انتخاب: عبیداللہ عمر شاعر: علامہ اقبال

میرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا
خاکِ ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا
انتخاب: رحمٰن غنی شاعر: میر تقی میر

ضعف جنوں کو وقت تپش در بھی دور تھا
اک گھر میں مختصر سا بیاباں ضرور تھا
انتخاب: محمدارشد شاعر: مرزا اسداللہ خان غالب

زندگی مومن کی ہوتی ہے مظفرؔ امتحان
کشتی اسلام گردابوں میں آنے سے چلی
انتخاب: لال حسین اختر شاعر: مظفروارثی

سب کے آنے سے پہلے تھا جاناں کا ظہور
دل نہ تھا موجود لیکن دلربا موجود تھا
انتخاب: محمد خالد مسعود شاعر: سرور لاہوری

مہمان کے متعلق آداب

فرمایا معلم الاخلاق صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ

جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ مہمان کی عزت کرے۔ (بخاری)

مہمان کے لیے اچھے یعنی پر تکلف کھانے کا اہتمام ایک دن ایک رات ہونا چاہیے اور مہمانی تین دن تک ہے اس کے بعد صدقہ ہوگا۔(بخاری)

مہمان کے لیے حلال نہیں کہ میزبان کے پاس اتنا ٹھہرے کہ وہ تنگ ہوجائے۔ (بخاری)

جس کی دعوت کی گئی اور اس نے قبول نہ کی تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اگر کوئی شرعی عذر ہو جو دعوت قبول کرنے سے مانع ہو تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے

جو شخص بغیر دعوت کے (کھانے کے لیے) داخل ہوگیا، وہ چور بن کر اندر گیا اور لٹیرا بن کر نکلا۔(ابو داود)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ مرد (رخصت کرتے وقت) مہمان کے ساتھ گھر کے دروازے تک نکلے۔ (ابن ماجہ)

انتخاب : خالد نور (تحفۂ خواتین، مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ، ص:541)

دین کی حقیقت، حکم کی اتباع

حج اور قربانی ماہِ ذوالحجہ کے بڑے اعمال ہیں۔ ان کے ذریعے اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں دین کی حقیقت سمجھانا چاہتا ہے۔ دین کی حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی عمل کا اپنی ذات میں کچھ نہیں رکھا۔ نہ کسی جگہ میں کچھ رکھا ہے نہ کسی عمل میں نہ کسی وقت میں ان چیزوں میں جو فضیلت آتی ہے وہ ہمارے کہنے کی وجہ سے آتی ہے۔ اگر ہم کہہ دیں کہ فلاں کام کرو وہ اجر و ثواب کا کام بن جائے گا اور اگر ہم اس کام سے روک دیں تو کوئی اجر و ثواب نہیں۔ ”میدان عرفہ“ کو لے لیجیے۔ ۹ ذی الحجہ کے علاوہ سال کے ۳۵۹دن وہاں گزاردیں تو ذرا برابر بھی عبادت کا ثواب نہیں ملے گا۔ حالانکہ وہی میدان عرفات ہے۔ وہی جبل رحمت ہے۔ اسی واسطے کہ ہم نے عام دنوں میں وہاں وقوف کرنے کے لیے نہیں کہا، جب ہم نے کہا کہ ۹ ذی الحجہ کو آؤ تو اب تو ذی الحجہ کو آنا عبادت ہوگا۔ ہماری طرف سے اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ نہ میدان عرفات میں کچھ رکھا ہے اور نہ اس وقت میں کچھ رکھا ہے اور نہ ہی اس عمل میں کچھ رکھا ہے لیکن جب ہم کہہ دیں تو پھر عمل میں بھی فضیلت پیدا ہوجاتی ہے اور جگہ میں بھی اور وقت میں بھی فضیلت پیدا ہوجاتی ہے۔

انتخاب: محمد اشفاق
(شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ: ج:2،ص130)

حدیث

حَدَّ ثَنَا اَبُو الحَکَمِ قَالَ سَمِعتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ

ترجمہ: ابو حکم نے فرمایا کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے لیے اس شان کے ساتھ حج کیا کہ نہ کوئی فحش بات ہوئی اور نہ کوئی گناہ تو وہ اس دن کی طرح واپس ہوگا جیسے اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔

(بخاری: حدیث نمبر 1521)

جامعہ بیت السلام میں دورۂ حدیث کا آغاز

افتتاح بخاری میں پہلا درس صدرِ وفاق المدارس العربیہ، حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے پڑھایا

صدرِ وفاق المدارس نے رئیس الجامعہ بیت السلام کو شاندار نتائج اور رفاہی خدمات پر وفاق المدارس کی اعزازی شیلڈ سے نوازا

تلہ گنگ (خصوصی نمائندہ) طلبائے مدارس کے لیے ایک عظیم خوش خبری یہ ہے کہ جامعہ بیت السلام میں اس نئے تعلیمی سال کے آغاز میں درسِ نظامی کے انتہائی درجے دورۂ حدیث کا باقاعدہ آغاز ہو چکا ہے۔ درجہ سابعہ کے طلبہ میں اس خبر سے خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ جامعہ بیت السلام تلہ گنگ کے درجہ سابعہ کے تمام طلبہ (سوائے ایک طالب علم کے) سب نے اپنے مادرِ علمی جامعہ بیت السلام تلہ گنگ میں ہی دورۂ حدیث کرنے اور اپنے اساتذہ کے ہاتھوں دستارِ فضیلت لینے کا فیصلہ کیا۔

افتتاح بخاری شریف کی تقریب کا پہلا درس مہمان خصوصی صدرِ وفاق المدارس حضرت شیخ الاسلام و شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے پڑھایا۔ اس افتتاحی درس میں شرکت کے لیے جامعہ بیت السلام تلہ گنگ کے طلبہ کے علاوہ دور دراز علاقوں سے طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے بھی شرکت کی۔ حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم نے ایک گھنٹے کا درس دیا، جس میں حضرت دامت برکاتہم نے درس کی حدیث پر گفتگو کرنے کے ساتھ ساتھ ”علم کے حقیقی مقصد۔۔۔ عمل کرنا“ کے موضوع پر بہت ہی عمدہ اور مدلل گفتگو فرمائی۔ حضرت دامت برکاتہم کا یہ بیان ماہ نامہ فہمِ دین میں شائع کیا جائے گا، ان شاء اللہ!

اسی تقریب میں صدرِ وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور شیخ الاسلام و شیخ الحدیث مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے رئیس الجامعہ بیت السلام کو اس سال وفاق المدارس کے سالانہ امتحان میں ملکی اور صوبائی سطح پر 24 پوزیشنیں اور دیگر شاندار نتائج حاصل کرنے پر مبارک باد پیش کی، نیز اندرون اور بیرون ملک امتِ مسلمہ کے لیے تعلیمی اور رفاہی خدمات سرانجام دینے پر خراج تحسین پیش کیا اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی طرف سے صدرِ وفاق دامت برکاتہم نے اپنے دستِ مبارک سے حضرت رئیس الجامعہ بیت السلام حفظہُ اللہ کو ایک اعزازی شیلڈ سے نوازا۔

اسی تقریب میں جامعہ بیت السلام تلہ گنگ کے ایک استادِ محترم مولانا نفیس الحسن صاحب نے عربی زبان میں ایک قصیدہ بھی پیش کیا، جس میں صدرِ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی جامعہ بیت السلام تشریف آوری کو مرحبا کہا گیا اور حضرت کی خدمات پر کچھ دعائیہ کلمات کہے گئے۔ حضرت صدرِ وفاق دامت برکاتہم نے ایک دِن اور ایک رات جامعہ بیت السلام تلہ گنگ میں قیام فرمایا۔ آپ دامت برکاتہم نے بیت السلام کے زیرِ انتظام بننے والے انٹیلکیٹ کیڈٹ کالج کی ایک عمارت کا سنگِ بنیاد بھی رکھا۔ افتتاح بخاری کی تقریب کے اختتام پر حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم کے دعائیہ کلمات کے ساتھ یہ پروگرام اختتام کو پہنچا۔

The INTELLECT School
Building Character

CAIE DISTINCTION

TOP IN PAKISTAN 2021

Congratulations!

HIGH ACHIEVERS

EN **Arwa Azeem**
English Language

Azka Atif
Physics

Arwa Azeem
Biology

HIPPO 2022

10TH INTERNATIONAL ENGLISH LANGUAGE OLYMPIAD

Hafsa Khan
Winner of the Regional Qualifier Round, invited to the final round in ITALY

Nimra Hasan
Second Position in the Regional Qualifier Round, Central Asia

WHY CHOOSE US?

Your Only Choice for Your Child's Quality Education in a value-based System

- Providing pristine environment for your children with quality education paving the way to the perpetual success You Dream of
- Enlightening the future of your children with knowledge and wisdom.

A LEVEL ADMISSIONS OPEN

FOR BOYS & GIRLS - SESSION 2022-23

+92 21 35110101-7
+92 316 2691200

www.theintellect.edu.pk
info@theintellect.edu.pk
fb/theintellectschoolofficial

ST-1, Survey 40 & 43 A-B, Ibrahim Hydery, Korangi, Karachi.